دِلّی
گہوارۂ محدّثین

مشہور محدثین و مفسرین کا تذکرہ، ملّت کے عروج و زوال پر
علماء و صوفیاء کا تبصرہ، مصنّف کتاب کا تعارف

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی
مہتمم مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی

ادارہ رحمتِ عالمؐ ، لال کنواں ، دہلی ۶

رفیع بجنوری

دلّی

اے جہاں آباد اے گہوارۂ عِلم و ہُنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در

ذرّے ذرّے میں تیرے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

علّامہ اقبال مرحوم

فہرست مضامین

مختصر تعارف

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

- حفظ قرآن سنہ ۱۹۳۰ء

قاری فضل الدین صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
حافظ ضیاء الدین صاحب سادہ کار لال کنواں دہلی

- عربی تعلیم تا جلالین شریف ۳۴ء تا ۳۹ء

مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

- تکمیل مشکوٰۃ شریف و بیضاوی شریف

تا دورۂ حدیث شریف ۴۰ء تا ۴۱ء
دار العلوم دیوبند، شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ مہتمم و استاذ حدیث مولانا محمد طیب صاحبؒ

- دورۂ تفسیر قرآن ۴۲ء

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ انجمن خدام الدین لاہور
رفیق کار: مولانا عبید اللہ سندھیؒ

- تربیت ترجمہ و تفسیر قرآن ۴۲ء

دوران تصنیف تفسیر کشف الرحمٰن

سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ

مصنف تفسیر کشفُ الرحمٰن

- آغاز درس تفسیر صباحی ۱۹۲۴ء

لال مسجد لال کنواں دہلی، بافتتاح مولانا احمد سعید صاحبؒ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لُدھیانویؒ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ

- دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے "فرقہ پرستی کی آگ" نامی کتابچوں پر دفعہ ۱۵۳، الف کے چار مقدمات قائم کیے گئے جو (۶۸ء تا ۱۹۸۰ء) بارہ سال تک چلتے رہے

- آغاز درسِ تفسیر شبینہ ۱۹۴۲ء

کھجور والی مسجد تراہا بہرام خاں، بافتتاح مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ و مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی آسودۂ رحمت احاطہ مولانا سید احمد صاحب بریلوی بالاکوٹ

- سلسلہ وعظ و خطابت ۱۹۴۵ء

مدرسہ حسین بخش دہلی

(بعد از مولانا عبدالشکور صاحب

دیوبندیؒ مہاجر مدنی)

تدریس و تعلیم حدیث و تفسیر مدرسہ حسین بخش دہلی

- صدارت جمعیۃ علماء صوبہ دہلی ۴۶ء
- نظامت جمعیۃ علماء ہند ۵۰ء
- درس تفسیر و اہتمام جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۸۲ء تا ۸۶ء

بہدایت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

- درس تفسیر ہفتہ وار، مسجد کٹرہ دھوبیان۔
- راشٹرپتی علمی ایوارڈ ۹۶ء، اُردو اکیڈمی صحافتی ایوارڈ ۹۷ء
- اہتمام مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی۔
- علمی اور دینی تصنیفات (۲۸)۔ تحقیقی مقالات (۱۵۰)۔

تبلیغی و اصلاحی کتابچے، اُردو، ہندی، انگلش (۲۵)۔

۱۹ اپریل ۹۷ء

تاثرات حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

قدرت نے مولانا اخلاق حسین قاسمی کو تقریر و خطابت کے ساتھ تحریر و انشاء کی ٹھوس صلاحیت سے بھی پوری طرح نوازا ہے، موصوف علمی تحقیق اور واعظانہ رنگ دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں،

محمد طیب غفرلہٗ ۵ اپریل ۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

مفسّرِ قرآن
مولانا حافظ سیّد اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

از:- اختر عظیم

دلّی میر و غالب، سودا کا شہر ہی نہیں، دلّی ایک طرف جلیل المرتبہ محدّثین کرام کا گہوارہ ہے اور یہاں (۲۵) کے قریب محدث آرام فرما ہیں اور گیارہویں صدی کے مجدّدین کرام، محدّث، مفسّر، مجتہد اور روحانی مشائخ شاہ عبدالرحیم محدّث دہلوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی، شاہ رفیع الدّین کی آخری آرام گاہ ہے۔

دوسری طرف بائیس خواجہ کی چوکھٹ بھی ہے، جہاں حضرت خواجہ بختیار کاکی، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ حضرت خواجہ سیّد محمود بحارؒ، حضرت خواجہ نصیر الدّین محمود روشن چراغ دہلویؒ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ، حضرت شیخ کلیم اللہ ولی شاہجہان آبادیؒ جیسے بہت سے عاشقانِ رسول ﷺ ولی کامل آسودۂ رحمت ہیں، اور جن کے روحانی تصرّفات کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ یہ یقیناً فضلِ ربّی ہے۔ اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کا روحانی تصرّف ہی ہے کہ بائیس خواجہ کی یہ چوکھٹ کسی بھی دور میں اللہ کے برگزیدہ محبوب بندوں اور علماء کرام سے خالی نہیں رہی ہے۔ بائیس خواجہ کی اس چوکھٹ نے بڑے بڑے بزرگانِ دین کو باہر سے

کھینچ کر بلایا، عزت و احترام کی نذریں پیش کیں، مدرسوں کی مسندوں پر بٹھایا اور بندگانِ خدا اور تشنگانِ علم نے فیض اٹھایا۔ یہی نہیں اس کی خاک اور یہاں کے گلی کوچوں سے بھی ایسے باکمال بزرگ اور معتبر و مستند عالم پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے علم وفضل سے شاہ ولی اللہ محدثؒ کے شہر اور ان کے تمام تر علمی اور تدریسی روائیتوں کی عظمت و حرمت قائم رکھی۔

۴۷ء سے پہلے کی دلّی ہم اس صدی کے چوتھے دہے کے ابتدائی سالوں یعنی ۱۹۴۲ء کی پیدائش ہیں، اس لئے تقسیم وطن سے پہلے کی دلّی اس کی علمی شان و شوکت اور اس زمانے کے اکابرین و بزرگانِ دین کو تو دیکھا نہیں، ہاں لڑکپن اور طالب علمی کے زمانے میں دلّی کی عظمتِ رفتہ کے باقیات صالحات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ان کا نرم و گداز لہجہ اور دل پذیر تقریریں سُنی ہیں۔ اس زمانے میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، حضرت مولانا مفتی مظہر اللہؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری سجاد حسینؒ، حضرت خواجہ حسن نظامیؒ، حضرت مولانا یوسف دہلویؒ جیسے بزرگ موجود تھے، جن کے دم سے دلّی کی علمی شان و شوکت باقی تھی۔ حضرت مولانا عبد السلام نیازیؒ ایک مجذوب صفت بزرگ تھے جو اپنی دنیا سے خال خال ہی باہر نکلتے۔ بہت کم دلی والوں کو ان تک رسائی حاصل تھی، لیکن پھر بھی ان کا دَم غنیمت تھا، اسی طرح حضرت مولانا ابو الکلام آزاد اُس وقت علمائے کرام کے ہراول دستے میں تھے اور علماء و زعماء کی رہنمائی کا مرکز تھے، اس وقت حضرت مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ جیسے بوریہ نشین علماء کرام

مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی رہنمائی اور رہبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

علمار دیوبند اور دلّی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ تھے لیکن جمعیۃ العلمار ہند کے بانیوں میں سے ہونے کی وجہ سے کثرت سے دلّی تشریف لاتے رہتے جس کی وجہ سے مسلم اکابرین اور علمار کرام کو ان کے مشورے سرپرستی اور رہبری حاصل تھی، لڑکپن کی وجہ سے ہم ان بزرگوں کی مجلسوں میں پہنچکر اُن سے کوئی فیض تو حاصل نہیں کرسکے لیکن ہاں جب کبھی اباجی مرحوم حضرت مولانا علیم اختر مظفر نگری کے ہمراہ ان بزرگوں کی مجلسوں میں جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کے لہجے کی حلاوت، باتوں میں عزم ویقین کی پختگی، چہروں پر ایمان کی روشنی دیکھکر دل بے ساختہ اُن ہی جیسا بننے کو چاہتا، لیکن :- اے بسا آرزو کہ خاک شد - ہم دنیوی علم سیکھکر صرف دنیادار ہوگئے۔

مولانا قاسمی کی تربیت کہا جاتا ہے کہ عطار کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے سے کپڑوں میں عطر کی خوشبو رچ، بس جاتی ہے، لیکن جن کی ذہنی تربیت ہی یکتائے روزگار عطّار کریں ان کے پیرہن تو ہمہ وقت، خوشبوؤں میں بسے رہتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا اخلاق حسینؔ قاسمی بھی ان ہی خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، جن کی ذہنی تربیت علومِ دینیہ کے نامور اور اپنے وقت کے ممتاز عطاروں نے کی ہے۔ اور انھوں نے بھی ان بزرگوں کی عزّت وتوقیر میں اضافہ ہی کیا ہے۔

خالص دلّی والے مولانائے موصوف خالص دلی والے ہیں اور دہلی کے کارخانہ دار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، کارخانہ داروں میں عام طور پر تعلیم کا رواج

کبھی نہیں رہا، اردو کی معمولی سی شُدھ بُدھ کے بعد بچے کو اپنے خاندانی کام میں لگادیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کارخانہ داروں میں تعلیم یافتہ حضرات کی جگہ اپنے فن کے ماہر کاریگروں اور ہُنر مندوں کی کسی بھی دور میں کمی نہیں رہی۔ مولانا کے خاندان میں بھی تعلیم کم تھی لیکن تارکشی، کامدانی اور گوٹہ، پیمک کے کام کے ماہر موجود تھے۔

مولانا کے کفیل اور سرپرست آکا شرف الدّین جو مولانا کے والد عنایت حسین صاحب کے ماموں تھے، بذاتِ خود ایک اپٹرھ کارخانہ دار تھے، لیکن انھوں نے اپنی تعلیمی کم مایئگی کو اپنے مُنہ بولے بیٹے اخلاق حسین کو تعلیم دلاکر پورا کرنا چاہا۔ اُن نیک سیرت بزرگ نے اخلاق حسین صاحب کو پہلے حفظ قرآن کراکر اپنی مخلصانہ کفالت اور سرپرستی کا حق ادا کیا اور پھر درسِ نظامی اور دیگر علوم دینیہ کے لئے مدرسہ عالیہ فتحپوری میں اس زمانے کے لائق اور فائق اساتذہ کے سپرد کردیا۔

مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی | مدرسہ عالیہ اس زمانے میں بھی دہلی کا ایک اہم اور ممتاز دینی مدرسہ تھا. جہاں حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب کاندھلوی (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا قاضی سجّاد حسین جیسے علماء دین علوم دینیہ کی تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان نیک سیرت اور باکباز اساتذہ کی شاگردی سونے کو کندن بنانے کے لئے کچھ کم نہ تھی کہ مولانا نے حدیث، تفسیر اور فقہ کی آخری کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا۔

دارالعلوم دیوبند | جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی،

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی اور حضرت مولانا عبدالسمیعؒ جیسے حدیث و تفسیر کے معتبر و مستند اساتذہ موجود تھے، جن کے علم و فضل اور تدبر کا چہار دانگ عالم میں شہرہ تھا، دارالعلوم دیوبند میں اِن فاضل بزرگوں سے فیض حاصل کرنے کے بعد مولانا اخلاق حسین صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دورۂ تفسیر کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگردِ خاص مولانا احمد علی لاہوری کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور تفسیر قرآن کی خصوصی سند حاصل کی، مولانا احمد علی لاہوری ولی اللہی علوم کے خاص شارح و مفسّر تھے اور اپنے زمانے کے اہم ترین اور مستند علمائے دین میں سے تھے۔

ان بزرگانِ علم حدیث و تفسیر سے ذہنی تربیت پانے اور اکتسابِ علم کرنے کے بعد مولانا اخلاق ۱۹۴۳ء کے آس پاس دلّی لوٹے۔ اور تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہی سلسلہ تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا کی شناخت اور پہچان بن گیا، اور آج مولانا مفسّر قرآن کے طور پر ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کی تربیت

مولانا اخلاق حسین قاسمی کے اس منزل تک پہنچنے میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی صحبت و تربیت کا بھی بڑا ہاتھ ہے جنھوں نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر قرآن (کشف الرحمٰن) کی ترتیب میں معاون کے طور پر مولانا اخلاق حسین قاسمی کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا احمد سعیدؒ کو اللہ میاں نے قرآن کریم کے فہم و تفہیم کا خاص ملکہ عطا کیا تھا وہ خالص دلّی والے تھے۔ دلّی کی ٹکسالی اور بیگماتی زبان پر عبور حاصل تھا، جب حضرت مولانا احمد سعیدؒ دہلوی زبان میں خطابت کرتے اور وعظ فرماتے تو

مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ پہلو بدلنا بھول جاتے، اسی پُر اثر خطابت کی وجہ سے مولانا کو سحبان الہند کہا جانے لگا تھا جو آج ان کے نام کا لازم و ملزوم حصّہ بن گیا ہے۔ تفسیر قرآن کی ترتیب و تکمیل میں سحبان الہند کی اس خداداد رفاقت اور معاونت نے مولانا اخلاق حسین کو نہ صرف بہت کچھ دیا بلکہ ان کی تحریر و تقریر پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ قرآن کے فہم و تفہیم اور تحریر و تقریر کے معاملہ میں آج مولانا کو سحبان الہند کا صحیح جانشین اور یادگار کہا جاتا ہے۔

درسِ تفسیر کا سلسلہ ۱۹۴۳ء میں جب مولانا اخلاق حسین قاسمی نے دہلی میں تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو وہ زمانہ ہندوستان کی قومی اور ملکی سیاست کا ایک نہایت ہی ہنگامی دور تھا، مسلم عوام کی ایک خاصی بڑی تعداد دو قومی نظریہ کے فریب میں پھنس چکی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین ملّت کو اس فریب و گمراہی سے نکالنے کے لئے تگ و دو کر رہے تھے، لیکن ان غریب بوریہ اور خاک نشینوں کی آوازیں صدا بصحرا ثابت ہو رہی تھیں، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ جمعیۃ علماء کے پہلے ناظم عمومی تھے۔

جمعیۃ علماء ہند سے تعلق مولانا اخلاق حسین بھی کچھ وقت کی پکار اور کچھ سحبان الہند کی رفاقت کے اثر سے جمعیۃ کے اس کارواں میں شامل ہو گئے اور مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد میاں جیسے جمعیتی قائدین کے ساتھ ملکی، قومی اور جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ تقسیم وطن کے پُر آشوب ہنگاموں اور قتل و غارت گری کے دوران جمعیتی اکابرین اور خدام نے مسلمانوں کی آبادکاری اور بحالی کے لئے جو خدمات انجام دیں ہیں اور جس تندہی اور لگن سے کام کیا ہے اُسکو

دوسرے تو کیا اب خود اپنے بھی بھول گئے ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر اس وقت جمعیتہ کے یہ سیدھے سادھے اور اللہ والے اکابرین آگے نہ آتے اور خدا کی نصرت و حمایت ان کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید آج ہندوستان کا مسلمان کسی اور ہی حال میں ہوتا۔

ناظم جمعیتہ علماء ہند مولانا اخلاق حسین قاسمی اپنی ملی خدمات کیوجہ سے دلی جمعیتہ علماء کی صدارت کے عہدے پر اور اس کے بعد جمعیتہ علماء ہند کے کل ہند ناظم کے عہدہ پر بھی فائزرہ چکے ہیں اور جمعیتہ علماء ہند کی روایات میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کا بڑا حصّہ ہے، اسلام میں دین و سیاست کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اسلام جس سیاست کا داعی ہے آج کی سیاست اُس سیاست سے پاسنگ بھر بھی لگا نہیں کھاتی، خود غرضی، جھوٹ، فریب دھوکہ اور ابن الوقتی آج کی سیاست کی بنیاد کے پتھر ہیں۔ اللہ، رسولؐ کے پیغام کی تفسیر بیان کرنے اور نیک سیرتی کا درس دینے والے علماء دین اور مولویانِ کرام آج کی سیاست اور اس کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود بہت سے علماء کرام ملّی خدمت کے جذبے سے متاثر ہوکر سیاست میں آنے پر مجبور ہوئے۔

علماء کرام اور سیاست مولانا اخلاق حسین قاسمی بھی سیاست کی دنیا میں آئے۔ ۱۹۶۱ء میں مجاہدِ ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کے مشورے پر میونسپل کمیٹی کا الیکشن لڑا، مولانا کانگریس کے امیدوار تھے، اچھی خاصی اکثریت سے جیتے، پانچ سال تک میونسپل کمیٹی کے ممبر اور تعلیمی کمیٹی کے وائس چیرمین کے

عہدے پر متمکن رہے۔ جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ملّت کی اور میونسپل کمیٹی کے پلیٹ فارم سے دلّی والوں کی خاطر خواہ خدمت کی۔

مولانا اخلاق انتخابی سیاست کی گندی پوٹلی کو کاندھے پر رکھکر تھوڑی دور چلے مگر جب دین و ایمان کو خطرہ لاحق دیکھا تو اُس پوٹلی سے پیچھا چھڑا کر محراب ومنبر، درس و تدریس کی دنیا میں واپس چلے گئے، یہ اچھا ہی ہوا ورنہ شاید قرآن کے تفہیم و فہم کا مدبرانہ ادراک رکھنے والا ایک مفسر سیاست کی چالبازیوں اور موقع پرستی کی بھینٹ چڑھ جاتا اور مدرسہ حسین بخش ایک عالم کی خطابت سے محروم رہ جاتا۔

عجیب المیہ ہے کہ دلّی والے مرغن غذاؤں، لذیذ کھانوں اور زبان کے چٹخارے کا تو بھرپور خیال رکھتے ہیں اور اپنی محنت کی کمائی کا بڑا حصّہ زبان کے چٹخاروں کی نذر کر دیتے ہیں۔ لیکن اپنے اسلاف کی میراث اور اُن کے تاریخی اثاثوں کی حفاظت کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔ اگر اس قوم میں رتّی بھر بھی یہ شعور ہوتا تو شاید دلّی کی کروڑوں روپئے مالیت کی وقف اراضی گورجی کے جوبن کی طرح یوں ضائع نہ ہوتی۔

مدرسہ حسین بخش جامع مسجد جامع مسجد کے قریب ایک گلی میں واقع مدرسہ حسین بخش بھی ایک ایسا ہی تاریخی اور قومی اثاثہ ہے جس کی اہمیت اور دینی خدمات سے دلّی والے ناواقف ہیں۔ دیوبند کے دارالعلوم سے دس پندرہ سال قبل وجود میں آنے والے اس مدرسہ کی تاریخی اہمیت کا اگر دلّی والوں کو قدرے بھی احساس ہوتا تو شاید یہ مدرسہ یوں سکڑ کر ایک درمیانے درجے کا مدرسہ نہ رہ جاتا۔ ایک ایسا مدرسہ جس میں مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے رفیقِ جہاد مولانا نوازش علیؒ، حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکّیؒ کے خلیفۂ مجاز مولانا کرامت اللہ خاں صاحبؒ،

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد حسین فقیرؒ، حضرت مولانا عبدالشکور دیوبندی مہاجر مدنیؒ اور سحبان الہند مولانا احمد سعید اسیر دہلوی جیسے جلیل القدر اساتذہ علم حدیث نے درس دیا ہو اور خطابت کے فرائض انجام دیئے ہوں، آج ناقدریٔ وقت اور دلّی والوں کی غفلت پر نوحہ کناں ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے تقریباً نصف صدی قبل اسی تاریخی مدرسہ میں نماز جمعہ کی امامت اور خطابت کا منصب سنبھالا تھا اور آج تک ان بزرگوں کی روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، مولانا نے اس مدرسہ میں چند سال تفسیر وحدیث کی اہم کتابوں کا درس بھی دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے زمانے سے لیکر ماضیٔ قریب کے زمانے تک اس شہر کی مسجدوں کے منبروں اور دینی مدرسوں کی مسندوں سے توحید وسنّت کا پیغام دلّی کی فضاؤں میں گونجتا رہا ہے۔ لیکن آج خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ نظام الدّینؒ اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے اس شہر میں مساجد کے حجروں، منبروں اور دینی مدارس کے منبروں کو سیاسی اغراض اور دنیاوی مفاد کے لئے استعمال کرنا ایک وطیرہ بن گیا ہے۔ درگاہوں، خانقاہوں اور مسجدوں میں نقش وعملیات، کی دکانیں سجی ہوئی ہیں جہاں عقیدتوں کا استحصال اور بدعتوں کو توانائی اور فروغ دیا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں توحید وسنّت کی اصلاحی دعوت کو جاری رکھنا بڑا کٹھن اور صبر آزما کام ہے۔

مدرسہ حسین بخش کی خطابت وامامت

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب بھی مدرسہ حسین بخش کے منبر وعظ کی حرمت وتقدیس کی حفاظت کرنے اور اس تاریخی منبر سے توحید وسنّت کی اصلاحی دعوت کو جاری رکھنے میں کٹھن اور صبر آزما

مراحل سے گزرے ہیں، اور گذر رہے ہیں۔ کٹھ مُلّا اور حاسد مولوی حضرات جو ملّت کو تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کے جال میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں، مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی آزادانہ اصلاحی اور تعمیری خطابت سے بدکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی وہ کٹھ مولوی حضرات پردہ نشین ہوکر مولانائے موصوف کیخلاف مخالفت کا بازار گرم کرادیتے ہیں۔ ایک بار یہ مخالفت کفر کے فتوے کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

دلّی میں علمی، ادبی، سیاسی اور نظریاتی مباحث کو ذاتیات پر محمول کر کے پوسٹر بازی کرنا، دلّی والوں کا محبوب ترین مشغلہ اور مصروفیت ہے۔ چنانچہ اللہ دے اور بندہ لے کے مصداق یارانِ طریقت نے اس موقع کو ہاتھوں ہاتھ لیا، مخالفت کا سمندر اُبلنے لگا، پوسٹر بازی شروع ہوگئی، بہت سے جاہلوں اور کچھ بغض وکینہ رکھنے والے شریفوں نے فرضی اور جعلی ناموں سے پوسٹر نکال کر اپنے دلوں کے پھپھولے پھوڑے۔

فرقہ پرستی کے خلاف جہاد

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنی کتاب "فرقہ پرستی کی آگ" پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ (الف) کے تحت لگائے گئے مقدمات اور سنگین الزامات کی بارہ سال تک خوب پیروی کی، لیکن دلّی والوں کو اس پوسٹر بازی کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی جُہلا کی باتوں کا مُسکت جواب ہے چنانچہ مولانا کی خاموشی پر مخالفت کا وہ جوش دودھ کے اُبال کی طرح بیٹھ گیا۔

تحریر پر قُدرت

اسی شہر کے بعض دوسرے واعظوں، مقرروں اور عالموں کے برعکس مولانا اخلاق حسین قاسمی کو تحریر پر دسترس حاصل ہے۔ تقریر کیطرح تحریر بہ

دسترس اور ملکہ حاصل ہونا نعمتِ خداوندی ہے جو مولانا کو حاصل ہے۔ اور مولانا اس نعمتِ خداوندی کا بڑا بھرپور اور جائز استعمال کر رہے ہیں۔ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم اور پیغام کے تناظر میں مسلمانوں، عام سماجی اور معاشرتی زندگی کے مسائل پر مولانا اخلاق نے ملّتِ اسلامیہ کی صحیح رہبری کی ہے، لیکن تعلیم اور شعور کی کمی کی وجہ سے عام مسلمان مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ کی تحریر کی اصلاحی دعوت اور اسپرٹ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

اِصلاحی خطابت مولانا اخلاق نے اپنی تحریر و تقریر کو جذباتیت سے پاک رکھا ہے۔ ملّت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل کو سمجھنے اور غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ جبکہ آج کا عام واعظ اور مقرر منبر پر آتے ہی مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ روش علمائے دین کے شعار کے خلاف ہے۔ مولانا اخلاق چونکہ بلند پایہ علمائے حق کی یادگار اور نام لیوا ہیں، اس لئے وہ اپنے علم و فضل اور تدبر کو عام مولویانِ کرام کی سطح تک نہیں لاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا منّت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت بہار نے مولانا اخلاق حسین صاحب کی تصنیف "مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت" کا مقدمہ سپردِ قلم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> "اب تو یہ کہنا چاہیئے کہ دلّی گویا علماء سے خالی ہو چکی ہے اب دلّی میں مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ کے سوا اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس پر نگاہ و دل جم سکیں۔"

یہ ایک بزرگ اور عالم دین کا اظہارِ حق تھا لیکن ہمیں بھی مولانا اخلاق کے بعد دلّی میں اور کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا جس پر ہم جیسے دنیاداروں کی نگاہیں جم سکیں۔ خدا مولانا کو سلامت رکھے، عمر دراز کرے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دلّی

اب بانجھ ہوگئی ہے۔ اس کی کوکھ سے اب کوئی سحبان الہند اور اخلاق حسین قاسمی جنم نہیں لے سکے گا۔ ظاہری صورتِ حال یہی ہے۔ باقی واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔

راشٹرپتی ایوارڈ

مولانا اخلاق حسین قاسمی (۲۵) کے قریب تاریخی، تعمیری اور تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں اور مولانا کی اسی علمی خدمت پر اس سال مولانا کو راشٹرپتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

تفسیر قرآن کے خاص خاص موضوعات پر مولانا کی تقریروں کے کیسٹ بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔

"معارف التفسیر" اور "حکمتِ قرآن" کے نام سے ملک کے مختلف علمی ماہناموں میں مولانا کے شائع شدہ مقالات و مضامین کی تعداد بھی کئی سو سے اوپر ہو چکی ہے۔

جمہوری دور میں اسلام کی کامیاب رہنمائی کے موضوع پر ملک کے مقتدر اُردو اخبارات میں مولانا کے جو اہم مضامین شائع ہو چکے ہیں وہ مفید مضامین کتابی صورت میں ملک کے اشاعتی اداروں کی طرف سے شائع کئے جا چکے ہیں۔

تفسیری خدمات کے سلسلے میں مولانا کا اہم ترین کارنامہ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کے سب سے پہلے اُردو ترجمہ (موضح القرآن) کو ایڈٹ کرکے اور املائی غلطیوں سے محفوظ کرکے ایک مستند نسخہ مرتب کرنا ہے۔ جسمیں مولانا نے بارہ سال مسلسل محنت کی ہے۔ یہ تصحیح شدہ نسخہ کراچی کے مطبع ایچ، ایم، سعید میں زیرطبع ہے۔

اُردو اکیڈمی کا صحافتی ایوارڈ

دلّی کی اُردو اکیڈمی کی طرف سے ۱۹۹۶ء کا اعلیٰ اُردو صحافتی ایوارڈ بھی اُردو کی اہم خدمات کے صلہ میں مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اس صحافتی ایوارڈ پر دلی کے بعض صحافیوں کی طرف سے اُردو اکیڈمی پر اعتراضات کیئے گئے کہ مولانا موصوف صحافی کے زمرے میں شامل نہیں ہے لیکن اس اعتراض کے باوجود دلی کے صحافیوں نے مولانا کی عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"مولانا اخلاق حسین قاسمی ہندوستان کے سب سے سلجھے ہوئے اسلامی دانشوروں اور عالموں میں سے ایک ہیں۔ مذہبی اور سماجی امور میں ان کی رائے کا عموماً بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ مفسر قرآن ہیں متعدد مذہبی کتابوں کے مصنف اور مدرسہ عالیہ فتحپوری کے نئے مہتمم ہیں۔ اخبارات میں دینی امور پر ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ متنازعہ امور میں اُن کی رائے عموماً امن پسندانہ ہوتی ہے اور دہلی والے ان کی بہت عزت کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت سبھی کے لئے ایک تبرک کی سی ہے۔

اگر مولانا قاسمی کو کوئی ایوارڈ دینا ہی مقصود تھا (جس کے لئے وہ بجا طور پر مستحق بھی ہیں) تو بہتر ہوتا کہ انھیں قومی یک جہتی کا ایوارڈ دیا جاتا۔ جو ۱۹۹۱ء میں قومی آواز کے موہن چراغی اور ۱۹۹۲ء میں سنجے ڈالمیا والی تنظیم کے کنوینر مرحوم شمس الزماں کو دیا گیا۔" (قومی آواز ۱۶، مارچ ۹۶ء)

توجہاں صحافت کا تعلق ہے تو مولانا نے ۷۱ء میں "نظام ملت" کے نام سے ایک وسیع ماہنامہ جاری کیا تھا، جس نے چند سال کے اندر ملک کے اہم ماہناموں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ قاسمی صاحب اپنی علمی اور سماجی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے جاری نہیں رکھ سکے۔

مدرسہ عالیہ کا اہتمام دلی کے تاریخی، علمی اور دینی ادارہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دلی کے مہتمم کا منصب بھی دلی وقف بورڈ کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ موصوف کی علمی اور انتظامی صلاحیتوں سے یہ مدرسہ فیضیاب

ہو، جس کے آپ قدیم طالب علم ہیں۔

الحمدللہ! مولانا قاسمی کے اہتمام میں مدرسہ اپنی تاریخی روایات کے مطابق خدمت علوم دینی میں سرگرم ہے اور مدرسہ کے حاسدین اپنی سازشی حرکتوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔

مدرسہ عالیہ کے اہتمام کے بارے میں مولانا قاسمی نے ایک سوال کے جواب میں اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا۔

اس ناچیز کے مہتمم ہونے کا سبب یہ ہے کہ امام صاحب فتحپوری (محمد مکرم صاحب) نے مدرسہ کے بعض اساتذہ کے آپسی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اپنے حجرہ کے پاس ایک حافظ صاحب کو بٹھا کر قرآن شریف کی تعلیم شروع کرا دی اور اخبارات کے ذریعہ اسی معمولی مکتب کو جامعۃ العلوم جیسے بڑے نام و لقب سے مشہور کرنا شروع کر دیا اور مدرسہ عالیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جانے لگا۔

وقف بورڈ کے چیرمین شیخ سراج الحق صاحب پراچہ کو میں نے اس سازش کے خلاف آگاہ کیا اور وہ خود بھی امام صاحب کی اس حرکت بے جا کو سمجھ رہے تھے۔ میں نے انھیں یہ بتایا کہ مدرسہ عالیہ فتحپوری کی ایک عظیم تاریخ ہے اور دلّی کے دوسرے عربی مدارس کے مقابلہ میں اس مدرسہ کی حیثیت ایک مدرسہ کے علاوہ مسلک دیوبند کی عظمت کے نشان کی بھی ہے۔

سراج الحق صاحب پراچہ اور ان کے رفقاء (عبدالستار صاحب وغیرہ) مسلک ولی اللٰہی سے تعلق رکھتے ہیں اور سراج صاحب کے والد شیخ عبدالحق صاحب پراچہ مرحوم ۴۷ء سے پہلے اہل بدعت کی طرف ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کرنے میں مدرسہ عالیہ کے ساتھ پرجوش تعاون کرتے تھے۔ مجھ سے پہلے مدرسہ عالیہ کے مہ حضرت مفتیٔ اعظم محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تھے، جنکی وفات کے بعد سے یہ منصب خالی تھا۔

ملّتِ اسلامیہ کا عروج و زوال

قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآن کریم نے قوموں کے عروج و زوال اور قوموں کے اجتماعی تنزل کا فطری اصول بیان کرتے ہوئے کہا: کسی بستی کے خوش حال لوگ جب بُرائیوں (فسق) میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس بستی پر قدرت کا قانون زوال نافذ ہو جاتا ہے اور وہ بربادی کی نذر ہو جاتی ہے۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۷)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔ وہ پہلی قومیں (قوم نوح، عاد و ثمود) برباد نہ ہوتیں اگر ان میں ایک صاحب اثر طبقہ (اولو بقیۃ) اصلاح حال کی جدو جہد کرتا رہتا لیکن یہ اصلاح پسند قلیل تعداد میں رہے اور وہ قوم بربادی سے نہ بچ سکی، البتہ وہ قلیل تعداد والے بچا لئے گئے۔ (سورہ ہود۔ ۱۱۶)

قرآن کہتا ہے کہ "قوموں میں بگاڑ اوپر سے نیچے آتا ہے اور یہی قانونِ فطرت ہے"۔ انگریزی کی ضرب المثل ہے: مچھلی اپنے منھ کی طرف سے سڑنی شروع ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بیان کردہ، فسق و فجور کی تشریح کرتے ہوئے فسق و فجور اور نافرمانی کی تین صورتیں بیان فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: مسلمانو! جب تمہارے امیر و حاکم اچھے لوگ (اخیار) ہونگے اور تمہارے دولت مند سخی (سمحاء) ہوں گے اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے

طے پائیں گے تو تمہارا زمین کے اوپر زندہ رہنا زمین کے اندر گڑ جانے سے بہتر ہوگا، البتہ جب تمہارے حکام بُرے لوگ (اشرار) ہوں گے اور تمہارے دولت مند بخیل ہوں گے اور تمہارے معاملات (مشورہ کے بجائے) عورتوں کے سپرد ہوجائیں گے تو تمہارا پیوند زمین ہوجانا بہتر ہوگا۔ یعنی تمہارا وجود خدا کی زمین پر بوجھ بن جائیگا۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۶۱)

حدیث کا فکر انگیز اسلوب

(۱) حکام کے لئے اخیار (اچھے اور بھلے) کا لفظ اختیار کیا گیا، صلحاء (عبادت گزار) کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا، اس اسلوب حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حکومت و انتظام کے لئے حکام و امراء کا انصاف پسند شریف اور دیانت دار ہونا ضروری ہے اور ایک حاکم کی سب سے بڑی عبادت اور نیکی یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں عدل و دیانت کا مظاہرہ کرے۔

(۲) حضورؐ نے عربی کے عام لفظ اسخیا و سخی کے بجائے سمحاء و سماحت کا لفظ اختیار کیا، کیونکہ سماحت کے مفہوم میں خیر خیرات کے ساتھ نرمی اور درگزر کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اور یہ لفظ سخاوت سے زیادہ جامع ہے۔

(۳) حضورؐ نے مشورہ کو عروج کا سبب اور اس کے مقابلے میں عورت کی آمریت و حکومت کو زوال کا سبب فرمایا۔ یہ اشارہ ہے کہ شورائی اور انتخابی سیاست کے بجائے جب آمرانہ سیاست اور شخصی استبداد شروع ہوتا ہے تو اس کی انتہاء صنف نازک کی آمریت پر ختم ہوتی ہے۔ اس ارشاد عالی میں حضورؐ نے تین محرکات زوال بیان فرمائے۔

(۱) ایک اخلاقی یعنی سخاوت کی جگہ بخل و کنجوسی۔

(۲) دوسرا معاشرتی یعنی عورت کی خود مختاری۔

(۳) تیسرا سیاسی یعنی بُرے حکمرانوں کا تسلط۔

مسلمانوں نے حضورؐ کی اس ہدایت کو نظر انداز کر کے عروج کی راہ چھوڑ دی اور زوال کے راستہ پر چل پڑے، حضورؐ کو اس حقیقت کا علم تھا کہ میری امّت نبوّت کے فیضان سے محروم ہو کر آہستہ آہستہ زوال کی کئی منزلوں سے گزرے گی چنانچہ آپؐ نے ان منزلوں کے بارے میں پیشن گوئی کے طور پر فرمایا۔

عروج وزوال کے پانچ دور رسول اعظمؐ نے اپنی امّت کے عروج وزوال کو پانچ عہدوں پر تقسیم فرمایا۔ ارشادِ گرامی ہے۔

(۱) مسلمانو! تم میں پہلا دور نبوّت ورحمت کا ہے۔

(۲) دوسرا عہد نبوّت کے طریقہ پر خلافت کا ہوگا۔

(۳) تیسرا عہد کٹ کھنی (ملکِ عضوض) بادشاہت کا ہوگا۔

(۴) چوتھا دور جبر وفساد اور سرکشی والی بادشاہت کا ہوگا۔

(۵) پانچواں دور پھر خلافت (منہاج نبوّت) کا ہوگا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۱)

حضورؐ کا مطلب واضح ہے کہ مذکورہ تین اسباب ومحرکات کے تحت عروج واقتدار حاصل ہوگا۔ حکمرانوں کا عدل ــ دولت مندوں کی فیاضی، مشورہ اور شوریٰ کے مطابق فیصلے ــ یہ تین بنیادیں عروج کی ہیں، ان تین بنیادوں میں جب فرق پڑے گا تو پھر بتدریج عروج کی جگہ زوال شروع ہو جائیگا، حضورؐ نے ان اسبابِ عروج وزوال میں انفرادی عبادات کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انفرادی عبادات (نماز، روزہ، حج) کا ظاہری مقصد خدا کی خوشنودی کا حصول ہے البتہ اگر یہ عبادات اپنی حقیقی روح کے ساتھ ادا کی

جائیں تو ان کا اثر معاشرہ پر پڑتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔

محدثین میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رسول پاک کی اس اہم پیشن گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

(۱) دورِ نبوت سے حضورؐ کا ۲۳ سالہ دور مُراد ہے۔

(۲) یہ کہ خلافت نبوت سے مراد خلافت راشدہ کا تیس سالہ دور ہے۔

(۳) یہ کہ حدیث کے پیرایہ بیان میں ملوکیت کے پہلے عہد کے لئے حضورؐ نے ثم یکون فرمایا اور دوسرے دور کے لئے ثم کائن فرمایا۔

اس میں اشارہ ہے کہ ملوکیت کا پہلا عہد مختصر ہوگا اور دوسرا دور طویل ہوگا۔ ملوکیت کے عہدوں کی تشریح ان محدثین نے یہ کی ہے کہ ملوکیت کے پہلے دور (خفیف ظلم والا) سے مراد بنی اُمیہ کی حکومت کا دور ہے اور اس کے مقابلہ میں جبر و فساد اور سرکشی والی بادشاہت سے بنی عباس کی حکومت کا (۴۰۰) سالہ عہد اور اس کے بعد آنے والے مختلف خاندانوں کی خاندانی حکومتوں کا دور مراد ہے۔

حدیث کے لفظ عضوض سے شیخ محدث صاحب نے خفیف ظلم مراد لیا ہے یعنی آنے والے عہدوں کے مقابلہ میں ہلکا ظلم ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف کے شارح مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس بات کو بھی صاف کر دیا ہے کہ عہد بنی امیہ میں حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دور بھی شامل ہے حالانکہ یہ دور خلافت راشدہ کا نمونہ تھا مگر وہ عہد سعادت صرف ڈھائی سال رہ سکا اس لئے وہ شمار میں نہیں، غلبہ ملوک بنی امیہ ہی کا رہا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور تحقیقی کتاب حجۃ اللہ البالغہ (مصری جلد اول ۲۱۲) اپنی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے کہ، ملوکیت کا دوسرا عہد بنی عباس کا ہے، یہ حکمراں قیصر و کسریٰ کے طرز پر حکومت کرتے رہے۔ شاہ صاحب نے

اپنی تاریخی کتاب ازالتہ الخفاء (۳۶۳) میں اُمّت کے ان پانچ عہدوں کو پانچ انقلاب کا عنوان دیا ہے اور آخری انقلاب و تغیر کے بارے میں لکھا ہے "بنی عباس پر قریش عرب کی حکومت کا پانچ سو سالہ عہد ختم ہو گیا اور اس کے بعد عجمی (غیر عرب) حکمرانوں کا دور شروع ہوا، ان عجمی حکمرانوں کا طرز حکومت مجوسیوں (فارسیوں) کی طرح ہے فرق اتنا ہے کہ یہ حکمراں کلمہ پڑھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں. ہم لوگ اسی پانچویں عہد میں پیدا ہوئے ہیں نہیں جانتے کہ خداوند قدوس کی آگے کے لئے کیا مشیت ہے۔
شاہ صاحب نے قیصر و کسریٰ کے طریقہ کی حکومت سے اشارہ کیا ہے کہ دونوں رومی اور فارسی بادشاہوں نے جبر و استبداد اور عیش و عشرت کی بدترین برائیوں کیساتھ جس طرح حکومت کی ہے وہ بُرائیاں آج کے مسلمان شاہوں کے اندر موجود ہیں۔ البتہ استثنار کے درجہ میں کبھی کبھی عدل و عدالت کا جزوی ظہور ہوتا رہا ہے۔

رزق و نصرت کی بشارت

رسول پاکؐ نے دورِ زوال کے لئے یہ بشارت دی ہے کہ اس دور میں بھی امت مسلمہ کو رزق و روزی اور نصرت آسمانی سے نوازا جائے گا ترزقون و تنصرون اس بشارت کا سبب یہ ہے کہ امت مسلمہ توحید پرستی اور حضرات انبیاء و رسل کی عظمت کی آخری یادگار امّت ہے۔ اجتماعی زوال کے دور میں بھی یہ امّت مجموعی طور پر ان دو اصولوں سے وابستہ رہے گی اور خدا کی زمین پر خدا کی سچی وحدانیت اور جملہ انبیاء کرام کی عظمت کا تصور اسی امّت کے دم سے قائم رہے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ رسول رحمتؐ کی تشریف آوری کے بعد ہلاکت خیز عذاب کا آنا منسوخ کر دیا گیا اور بداعمالیوں کی صورت میں باہمی خانہ جنگی کو بداعمالیوں کی سزا قرار دیا گیا۔ (سورۃ انعام ۶۵) یہ صورت تمام مسلم دنیا میں نظر آرہی ہے۔

عورتوں کا تسلّط زوال کے تین سبب ہیں دو سبب ملوکیت کے قیام کے ساتھ ہی شروع ہو گئے تھے ، البتہ عورتوں کا تسلط بارہ سو سال کے بعد یورپ کی تہذیبی غلامی کے بعد نمودار ہوا ۔ اس سے پہلے عورت اپنے نسوانی دائرہ میں رہی اس طرح زوال امّت کے تینوں اسباب کی تکمیل موجودہ عہد میں ہوئی ، اور آج پوری مسلم دنیا یورپ کی تہذیبی غلامی میں مبتلا ہے اور اہلِ یورپ کا معاشی استبداد مسلم دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں ۔

پانچواں عہد خلافت پیشن گوئی کے پانچویں دور (خلافت نبوّت) کے بارے میں تمام محدّثین خاموش نظر آتے ہیں حالانکہ اس دور کے تعین کے بغیر حدیث کی پیشن گوئی مکمل نہیں ہوتی ۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ دور آخری امام مہدی کا دور ہوگا جس میں امام مہدی نبوّت کے طریقہ پر خلافت قائم کریں گے ۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۴۷۱) — لیکن امام مہدی کے آخری دور خلافت کی پیشن گوئی کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اپنے آپ کو زوال و تنزّل کے دور سے نکالنے کی جدوجہد نہ کریں اور امام مہدی کی آمد کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں — اس خطرہ کے پیش نظر علماء حدیث نے خلافت کے آخری دور (مہدی) کو تاریخی تجزیہ میں شامل نہیں کیا اور پیشن گوئی کے اس حصہ سے سکوت اختیار کیا ۔

اس کے علاوہ امام مہدی کے بارے میں چونکہ عوام کے اندر بہت زیادہ مبالغہ آرائی اور توہمات پھیلے ہوئے ہیں اور ایک فرقہ مہدی کو آسمانی شخصیت قرار دیتا ہے اور قادیانی فرقہ مرزا صاحب کو مہدی قرار دیتا ہے اور حیدر آباد کا

مہدوی فرقہ بھی طرح طرح کے توہمات رکھتا ہے۔ اس لئے علمائے حدیث اس دور کے بارے میں احتیاط کی راہ اختیار کرتے رہے ہیں۔

پاکستان اور امام مہدی

پاکستان میں تحریک خلافت کے قائد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے امام مہدی کا شوشہ چھوڑا کیونکہ عالم اسلام کی تمام احیاء پسند تحریکیں پچاس سال کی جدوجہد کے باوجود دنیا کے کسی گوشہ میں اور پاکستان کی سلطنت خداداد میں خلافت اسلامی قائم نہیں کر سکیں، اور پاکستان کی تحریک اسلامی (مولانا مودودی) نے بھی اپنا اصولی اور نظریاتی موقف ترک کر کے پاکستانی سیاست میں شرکت اختیار کر لی، اس تبدیلی پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس تحریک کو باقی رکھا، لیکن ہر طرف سے نا امیدی کے بعد موصوف نے اعلان کر دیا کہ خلافت اسلامی امام مہدی قائم کریں گے اور ان کا ظہور قریب ہی ہے، یہ کہکر ڈاکٹر صاحب نے پاکستانی مسلمانوں کو تسلی دیدی مگر وہاں ان کے خلاف فتنہ کھڑا ہو گیا اور مخالفین نے ان پر الزام لگایا کہ ڈاکٹر صاحب امام مہدی کا دعویٰ کرنے والے ہیں یہ اس کیلئے زمین ہموار کر رہے ہیں ــــ لیکن دلچسپ بحث اسوقت ٹھنڈی پڑ گئی جب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ امام مہدی تو آل رسول ہوں گے اور ڈاکٹر صاحب آل رسول میں سے نہیں ہیں، موصوف تو ہریانہ حصار کے باشندہ ہیں اور اگروال برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور موصوف اپنے نسب وحسب کو ظاہر کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار صاحب پاکستان کے نہایت بلند پایہ اسلامی مفکر ہیں، قرآن کریم کی جدید علمی پیرایہ میں تشریح، تقریر اور تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کا خاص امتیاز ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن کریم کا فہم بیدار کرنے کے لئے نہایت کامیاب

قرآن کالج اور تنظیم اسلامی نام کی جماعت کو چلانے کی بہترین صلاحیت قدرت نے انھیں عطا کی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی فراست

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے (۱۹۱۲ء) تک الہلال اور البلاغ کے ذریعہ خلافت اسلامیہ کی پرزور دعوت دی لیکن جب خلافت عثمانیہ ختم کردی گئی اور خلافت کے قیام کی آخری اُمید بھی حجاز کے والی سلطان ابن سعود کے اس اعلان کے بعد باقی نہ رہی کہ وہ والی نجد و حجاز ہیں، خلیفۃ المسلمین نہیں ہیں تو مولانا نے الہلال کی دعوت کو ہندوستان میں ایک مشترک جمہوری نظام کی جدوجہد میں منتقل کردیا اور شیخ الہند کے جانشین مولانا حسین احمد مدنیؒ نے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان میں جمہوری حکومت کے قیام سے دعوت حق کے ذریعہ عوامی رائے کو اسلام کی صداقت و سچائی کا قائل کرنے کا راستہ کھلا رہے گا، اور موجودہ بین الاقوامی دور میں اسلامی نظام عدل کے قیام کا امکان اسی راہ پر چلنے سے ہوسکتا ہے۔ جہاد و تشدد کا راستہ امکان کا راستہ نہیں، عدم امکان کا راستہ ہے، وہ جذباتی لوگ جنھوں نے جہاد بالسیف کے ذریعہ مسلم دنیا کے جس گوشہ میں بھی احیاء اسلامی کی تحریک چلائی اسے مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں زبردست نقصان پہنچا۔

آیت پاک:۔ وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۱۶)

حدیث پاک:۔ اذا کان امراء کم اخیارکم و اغنیاء کم سمحاءکم و امرکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر من بطنها و اذا کان امراء اشرارکم و اغنیاءکم بخلاءکم و امورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر من ظهرها۔

(مشکوٰۃ ۴۶۱)

ملّی عروج وزوال
اور
صوفیائے حق

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی سیاست کے لحاظ سے خلافت اور ملوکیت کی بنیاد امّت مسلمہ کے عروج وزوال پر تبصرہ فرمایا اور محدثین اسلام نے اسی نقطہ نظر سے حدیث پاک کے پانچ عہدوں کا تعین کیا۔

حضرات صوفیاء کے ترجمان و شارح حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ نے حدیث نبوی کی پیشن گوئی کا تجزیہ عوامی فلاح وصلاح کے پہلو سے فرمایا، خلافت کی حقیقت چونکہ عوام الناس کو عدل ومساوات اور اخوت انسانی سے بہرہ مند کرنا ہے، خلافت کی روح خدمت ہے۔ خلافت کے قیام کا مقصد خدا کی عبادت اور اس کے بندوں کے درمیان اخوت کا قیام ہے اور جس کا راستہ اور منہاج اخلاق نبوت ہے۔

اس لئے حضرت محبوب الٰہی نے روح خلافت کے لحاظ سے امّت کے عروج وزوال کا نقشہ کھینچا۔

خلافت الٰہی کا آغاز جہاد سے نہیں ہوا، اخلاق سے ہوا ہے۔ مدینہ منورہ میں رسولِ پاکؐ اور آپ کے رفقاء کا داخلہ اور قیام تلوار سے نہیں ہوا، مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں رسول پاک اور آپ کے رفقاء نے ظلم وستم کی بارش میں بھی دشمنوں کے ساتھ اخلاق کریمانہ کا جو بے مثال سلوک کیا اس نے مدینہ منورہ کی فطری سعادت

کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔

یہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ برحق اور آپ کے وفا شعار ساتھیوں کی اخلاقی فتح تھی اس خلافت کے لئے رسول پاکؐ اور آپ کے ساتھیوں کو تلوار و تیر چلانا تو درکنار ایک لکڑی بھی اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ مذہبی منافرت کی کوئی تحریک چلانی نہیں پڑی۔ اس نظام خلافت میں عہدہ کے طلب گار کو نا اہل قرار دیا جاتا تھا، سربراہ خلافت اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کر دیتا تھا، بیٹے سے اگر جرم صادر ہو جاتا تو سربراہ خلافت اپنے ہاتھ سے اس پر سزا جاری کرتا کسی غیر مسلم (یہودی) کے ساتھ زیادتی ہو جاتی تھی تو امت کے بڑے سے بڑے فرد کو قصاص کے لئے طلب کر لیا جاتا تھا

غیر مسلم یہودی اقلیت کو مسلم اکثریت کے ساتھ وطنی اخوت کے رشتہ سے منسلک کرکے دونوں کو ایک امت (امۃ واحدہ) قرار دینے کا اعلان کیا گیا۔ ایک غیر مسلم یہودی کے ساتھ امن کی ذمہ داری (ذمی کا مطلب) پوری کرنے کے لئے ایک قاتل مسلمان کو قصاص میں قتل کرا دیا گیا۔ غیر مسلم طبقہ کے ساتھ مالی خیانت حرام قرار دی گئی اور عبد اللہ ابن رواحہ سرکاری محصل نے خیبر کے یہودیوں کی پیشکش (رشوت) کو مسترد کر دیا، غیر مسلموں کو خلافت الٰہی میں اپنی شریعت اپنے پرسنل لاء اور اپنا نظام قضا قائم رکھنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ اصحاب دیانت لوگ شوریٰ کے ممبران تھے، انھی کے مشورہ سے سربراہ خلافت منتخب ہوتا۔ سربراہی کی بنیاد رشتہ داری مالداری اور خاندان پروری نہ تھی صلاحیت کار تھی۔

خلافت سیاسی تحریک نہیں خلافت کو سیاسی تحریک بنانے والے مدینہ طیبہ کی زندگی کو تقسیم کرتے ہیں تحریک خلافت کے داعی ڈاکٹر اسرار نے

اس تقسیم کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ حضورؐ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد صرف نبی و رسول کی حیثیت رکھتے تھے، بدر کی جنگ میں جب آپ کو فتح حاصل ہو گئی اس کے بعد آپ کی حیثیت خلیفہ برحق کی قائم ہوئی۔ اس تقسیم پر ہنسی آتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ تحریک خلافت والوں پر جب جذباتیت کا غلبہ تھا تو ان کے قلم سے کیسی کیسی غیر معقول تاویلیں وجود میں آتی تھیں۔ صورتحال یہ تھی کہ جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے۔

"اے پروردگار! مجھے مدینہ میں داخل کر عزّت کے ساتھ اور مکّہ سے نکال عزت کے ساتھ اور مجھے مددگار اقتدار (سلطان نصیر) عطا فرما۔" (بنی اسرائیل۔ ۸۰)

خدا تعالیٰ نے اس دعا کا حکم دیا تھا، یہ دعا قبول ہوئی اور مدینہ منورہ میں قدم رکھتے ہی آپؐ سطوت وحشمت سے سرفراز ہو گئے، یہ خلافت الٰہی کا منصب تھا پھر آپؐ نے غزوہ بدر میں تلوار کی کامیابی کا انتظار نہیں کیا، بلکہ ایک سیاسی سربراہ کی حیثیت سے مدینہ کی غیر مسلم آبادی (یہود) کے ساتھ صلح و سلامتی کا معاہدہ کیا اور آپؐ نے غیر مسلموں سے اپنے آپ کو سربراہ ریاست کے طور پر برضا و رغبت تسلیم کرایا آپؐ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ اور خلیفۃ اللہ دونوں عظمتوں کے مالک تھے۔

حقیقت ایمانی کا فقدان

خلافت کی تحریکات میں ایک بڑی کمزوری یہ رہی کہ تحریکات کے کارکنوں میں ایمان اور ایمانیات کا قانونی اور فقہی مفہوم غالب رہا، یمان کی حقیقت اور اس کا عرفان ان کے دلوں میں نہیں بیٹھ سکا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تحریک خلافت کے آخری دور (تھکنی کا زمانہ) میں س بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ احیاء خلافت کی ہر تحریک میں خواہ مصر کے الاخوان

کی تحریک ہو یا ہندوستان کی جماعت اسلامی (مودودی صاحبؒ) کی تحریک ہو اسمیں ایمان کی حقیقت (روح ایمانی) پر زور نہیں دیا گیا۔

حقیقت ایمانی میں صرف خداوند عالم کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کو ایمان وعبادت کا اصلی مقصود قرار دیا جاتا ہے۔ دنیا کی شوکت وحشمت دوسرے درجہ کی چیز ہو جاتی ہے۔ خلافت اور حکومت کا تصوّر بھی خدمت اور ایثار وقربانی کے درجہ میں رہتا ہے، ذاتی یا خاندانی برتری کے حصول کی نیّت خلافت کی جدو جہد کو دنیا داری کا ایک ناپسندیدہ عمل بنا دیتی ہے۔

مصر کے اخوانی قائد سیّد قطب شہید نے اپنی کتاب معالم فی الطریق میں لکھا کہ سیاسی اقتدار صرف خداوند عالم کا ایک انعام ہے جو وہ اپنے صالح بندوں کو عطا کرتا ہے، ایمان وعمل کا لازمی نتیجہ نہیں ہے۔

برصغیر کے خلافتی قائد مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں اپنے اپنے موقع پر اس حقیقت کو واضح کیا۔ (اعراف آیت ۱۲۸) کی تشریح میں لکھا: ”زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور پرہیزگار بندوں کے لئے حسن انجام کی بشارت ہے۔ مودودی صاحبؒ نے سورۃ الانبیاء (۱۰۵) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا“ آیت کا مطلب صاف ہے کہ دوسری تخلیق (قیامت کا دن) میں جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں ہوا ہے زمین کے وارث صرف صالح لوگ ہوں گے۔ مولانا نے زمین کی وراثت والی خوشخبری سے متعلق آیات سورۃ مومنون اور سورۃ زمر کی تشریحات میں بھی یہ وضاحت کی کہ وراثتِ زمین کا تعلق عالم آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیا سے (مختصر تفہیم: ۵۲۵) یہی تحقیق جمہور علماء تفسیر کی ہے۔

تحریکیت کا مزاج

تحریکات خلافت سے متعلق کارکنان کے اندر تحریکیت کے

مزاج کے مطابق انتہاپسندی پیدا ہوگئی، اعتدال قائم نہ رہ سکا، چنانچہ آج بھی خلافت کے بارے میں تحریکیت کی انتہا پسندی کے اثرات کارکنوں کے اندر نظر آتے ہیں اور ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں خلافت کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں اور کہیں خلافت کے تعلق سے جہاد کی تحریک چلائی جاتی ہے جسکے قائد ابھی حال میں شہید کر دیئے گئے۔

اس قسم کی باتیں بے موقع و بے محل ہیں اور ان باتوں کو سنکر مرحوم مودودی صاحب کا یہ مشہور فقرہ یاد آجاتا ہے کہ اے کاش! میرے رفقاء کے اندر جتنا خلوص ہے اتنا شعور بھی ہوتا۔

مودودی صاحب نے دین داری میں شعور و فہم کی ضرورت کا اظہار کیا اور رسول پاکؐ کے حسب ذیل گراں قدر ارشاد کی طرف توجہ دلائی،

غور کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گراں قدر حدیث ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''ایک شخص نمازی، روزہ دار، زکوٰۃ ادا کرنے والا، حج وعمرہ ادا کرنے والا ہوتا ہے آپ نے تمام نیک اعمال (سھام الخیر کلھا) کا ذکر کیا اور پھر فرمایا مایجزیٰ یوم القیٰمۃ اِلا بقدر عقلِھا۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۰) البتہ قیامت کے دن اس نیکیاں کرنے والے کو اس کی عقل اور فہم کے مطابق بدلا دیا جائے گا۔

محدثین اس کی شرح کرتے ہیں کہ خدا کی عبادت سمجھداری اور شعور کیساتھ کی جاتی ہے تو اس میں موقع و محل کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور بے موقع نیکی کرنے سے گریز کیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح بے موقع اور بے وقت نیکیاں کرنے سے دین حق کو نقصان پہنچتا ہے، لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ایسے دینداروں سے دین کا وقار کم ہو جاتا ہے۔ اندھی عقیدت کو عقیدت مند بہت اچھا سمجھتا ہے۔ دین کا مجاہد بن کر سامنے آتا ہے۔ مگر خدا کی نگاہ میں وہ بے وقعت ہوتا ہے۔

حقیقت ایمانی اور تصوّف حضرت محبوب الٰہی نے تصوف اسلامی کی ترجمانی کرتے ہوئے روح اور حقیقت ایمانیات کے لحاظ سے ملّتِ اسلامیہ کے عروج وزوال کے پانچ عہد قرار دیئے ہیں اور ہر عہد کو طبقہ سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

۱:- الطبقۃ الاولیٰ، طبقۃ العلم والمشاھدۃ۔ آں صحابہ کرام بودند۔

امّت کا پہلا طبقہ علم اور مشاہدہ والا تھا۔ یہ حضرات صحابہ کی جماعت تھی، یعنی جماعت صحابہ کو نور نبوت کی روشنی میں اسلامی صداقت پر عین الیقین حاصل تھا، اسلامی اصولوں، وحدت حق اور عدل وعدالت اور ایمان وعبادت کے نتیجہ میں دنیا کے اندر عزت وشوکت اور آخرت میں نجات ومغفرت کے جو سچے وعدے اللہ تعالیٰ نے رسول پاکؐ کی زبان مبارک سے کئے تھے وہ انھیں اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔

مشاہدہ حقیقت کی قوّت نے صحابہ میں اتحاد قائم کیا اور جوش یقین کی قوت سے خلافت نبوی اور پھر خلافت راشدہ قائم ہوئی۔ یہ ان حضرات پر خدا کا انعام واکرام تھا۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا کہ نور نبوت (نور وحی) سے فیض یافتہ جماعت کے بعد اصول اسلامی پر مشاہدہ کے درجہ کا یقین رکھنے والے لوگ پیدا نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے۔ اسلئے خواہشات نفسانی اخلاص کے دباؤ سے آزاد ہوگئیں اور امّت صلاح وفلاح کے اعلیٰ معیار سے گرنی شروع ہوگئی۔

۲:- الطبقۃ الثانیہ، طبقۃ البر والتقویٰ۔ آں تابعین بودند۔

دوسرا طبقہ صحابہ کی جماعت کے بعد نیکی اور پرہیز گاری والا طبقہ تھا اور یہ تابعین کی جماعت تھی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تجزیہ اکثریت کے فطری دستور کے لحاظ سے ہے۔ فطرت بھی بُرائی اور بھلائی کا فیصلہ اکثریت کے لحاظ سے کرتی ہے۔

۳:۔ الطبقۃ الثالثہ، طبقۃ التواصل والترحم۔

تیسرا طبقہ (تبع تابعین) تواصل وترحم کا تھا اس دور میں مشترک دنیوی دولت اور سیاسی شوکت کو آپس میں محبّت ورعایت کے ساتھ استعمال کیا گیا اور جو ذاتی دولت انھیں حاصل ہوئی ضرورت پڑنے پر وہ تمام راہِ خدا میں صرف کر دی گئی۔ پہلی صفت کو شیخ نے تواصل سے تعبیر کیا اور دوسری صفت کو ترحم سے تعبیر کیا۔ یہ تین دور حدیث نبوی کے مطابق درجہ بدرجہ خیر القرون کے دور تھے۔

حدیث میں ہے، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ یعنی بہترین زمانہ میرا ہے، پھر میرے بعد کا ہے، پھر اس کے بعد کا ہے۔

۴:۔ الطبقۃ الرابعہ، طبقۃ التقاطع والتدابر اس دور کے مسلمانوں نے دنیوی جاہ ومال کی تقسیم میں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا رویہ اختیار کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ جن کے ہاتھ میں دولت وحشمت آجائے وہ اسے اپنے قبضہ میں رکھے اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیر کر نکل جائے۔

۵:۔ الطبقۃ الخامسہ، طبقۃ الہرج والمرج پانچواں دور ہرج اور مرج کا تھا، اس دور میں دولت وعزّت حاصل کرنے کے لئے ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر دور کے لئے چالیس سال کا اندازہ مقرر کیا اور پھر ان دو سو سال کے بعد کے لئے شیخ نے نہایت سخت لب ولہجہ میں

فرمایا۔ ”بعد ازیں دو یست سال اگر کسے سگے بچہ بزاید بہ نہ فرزند آدم“۔

(فوائد الفواد جلد ۲ مجلس نمبر ۱ ص ۴۹۶)۔

یعنی ان دو صدیوں کے بعد آدمی کے بچہ سے کتے کے بچہ کا پیدا ہونا بہتر ہوا پھر اس بیان کے بعد شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا۔

”ایں ساعت خود مردم چہ گوید“ آج کل کے بارے میں انسان کیا کہہ سکتا ہے؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو سو سال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد سے شمار کیا ہے کیونکہ عہد رسالت عہد وحی تھا جس میں درحقیقت ہادی خداوند عالم تھا، نبی علیہ السلام کی ذات واسطہ ہدایت تھی۔

شیخ نے وصال نبوت کے دو سو سال بعد کے دور کو بد سے بدتر قرار دے کر حسب ذیل حدیث نبوی کی طرف اشارہ فرمایا حدیث یہ ہے۔

بڑی بڑی نشانیاں (زوال و تنزل کی) دو سو سال کے بعد رونما ہونگی۔

الآیات بعد المائتین۔ (مشکوٰۃ ۴۷۰ بحوالہ ابن ماجہ)

شیخ علیہ الرحمہ نے جس شدتِ احساس کے ساتھ آج سے سات سو سال پہلے موجودہ دور کی شرمناک اخلاقی گراوٹ پر اظہار افسوس کیا اس کا منظر آج ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔

حدیث بالا کے مطابق وصال نبوی کے بعد دو سو سال خلافت عباسی کے نصف عہد تک ختم ہو جاتے ہیں اور بدترین زوال کی علامات آخری عہد عباسی سے شروع ہو جاتی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عباسی خلافت کے آخری دور میں عرب اقتدار برائے نام رہ گیا تھا اور عجمی اور ترکی علاقوں کے اقتدار کا دور شروع ہو گیا تھا، یہیں سے مسلم اقتدار کی مرکزیت پر زوال شروع ہوا۔

ہر کمالے راز والے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے عجیب موقعہ پر۔ ہر کمالے راز والے۔ کے قانون فطرت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حضورؐ کی ایک خاص اونٹنی ۔ عضبا ۔ نامی تھی ۔ عضبا کان چری اونٹنی کو کہا جاتا ہے، یہ اونٹنی بڑی تیز رفتار تھی، مقابلہ میں سب سے آگے نکل جاتی تھی ایک دفعہ ایک اعرابی اپنے دبلے پتلے (قعود) اونٹ پر بیٹھکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی اونٹنی سے اپنی اونٹنی کا مقابلہ چاہا ۔ مقابلہ ہوا ۔ اور اس مقابلہ میں اعرابی کی اونٹنی آگے بڑھ گئی۔

مسلمانوں کو حضورؐ کی اونٹنی کے ہارنے سے بڑا دکھ ہوا، حضورؐ نے محسوس کر لیا اور مسلمانوں کو قانون فطرت کے حوالہ سے مطمئن کرتے ہوئے فرمایا ۔ اِن حقًا علی اللہ اَن لَا یَرتَفِعَ شَیْءٌ مِنَ الدنیا اِلَّا وَضَعَہٗ۔ (مشکوٰۃ ۳۳۷)

بے شک اللہ تعالیٰ پر یہ لازم ہے اور اس کی یہ لازمی سنت ہے کہ وہ دنیا کی جس چیز کو سربلندی عطا کرے اسے نیچا اور پست بھی کر دے، شاعر نے اس امت کے زوال پر کہا ہے۔ ؎

حیرت نہ کر بدن کو میرے چور چور دیکھ کر
ان رفعتوں کو دیکھ جہاں سے گرا تھا میں

خمورؔ دہلوی کہتے ہیں۔ ؎

سب سے پہلے برق کا گرنا یقینی امر تھا
تھی مضر اتنی بلندی آشیانے کے لئے

دلّی:- گہوارۂ محدّثین

محدّث ہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا قول ہے کہ

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند۔ (الملفوظات ص۱۰۶)
یعنی دلی بائیس۲۲ بزرگوں (علماء وصوفیاء) کا مرکز تھی۔ شاہ صاحب کے اسی قول کو " بائیس خواجہ کی چوکھٹ " کر دیا گیا ہے۔

یہ دلّی کی روحانی عظمت کا پہلو ہے۔ اور دلّی کی علمی عظمت کو چار چاند لگانے والا یہ شرف ہے کہ دلّی دنیا کے ۲۵ نامور محدثین کا گہوارہ ہے۔ ادبی اعتبار سے دلّی کی عظمت و شہرت میرؔ، غالبؔ، ذوقؔ اور سوداؔ جیسے بلند پایہ شعراء کے تعلق سے قائم ہے۔ دلّی کو صنعت و حرفت اور تجارت کا چین و جاپان بنانے والی وہ مسلم برادریاں ہیں جنھیں شاہ جہاں بادشاہ جیسا نیک دل اور محب وطن حکمراں ملک کے دوسرے حصوں سے دلی لایا اور انھیں دلّی میں آباد کیا، ان برادریوں میں لاہوری برادری، پنجابی برادری، راعین برادری، مردھا برادری، بندھانی برادری، پراچہ برادری، قریش برادری، مارواڑی برادری، منصوری (روغن گر) برادری، اور دوسری محنت کش برادریاں شامل ہیں۔ اسی طرح دلی تبلیغ دین کا مرکز رہی ہے اور شاہ عبدالعزیز اور ان کے بعد حنفی اور اہل حدیث مسلک والے بڑے بڑے مقبول عوام واعظوں کے پند و موعظت سے دلّی کی مجالس وعظ ملک کے عوام و خواص کا مرجع رہی ہیں اور قلعہ معلی کی چہار دیواری کے اندر بھی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے اصلاحی مواعظ اور دہلوی واعظوں کے پند و موعظت کی آوازیں

دار الحدیث دار العلوم دیوبند

گونجتی رہی ہیں۔

ذیل میں دلّی کے ان محدّثین کرام کا مختصر تعارف کرایا گیا۔ ہے جنھوں نے دلّی میں علم حدیث کی شمع فروزاں رکھی اور بعض علماء حدیث کی شہرت و مقبولیت حرم پاک تک پہونچی اور انھوں نے حرم میں حدیث نبوی کا درس دیا۔

انھیں محدّثین کرام کی علمی عظمت نے ان کے وطن مالوف دلی کو حضرت دلّی اور چھوٹا مکہ اور فخر بغداد و بصرہ کے خطابات کا مستحق بنادیا۔

سُلطانُ المشائخ خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ حضرت خواجہ صاحب ہندوستان کے بلند پایہ صوفی ہونے کے ساتھ ایک متبحر محدّث بھی تھے، جنکی خانقاہ اخلاقی تربیت گاہ کے علاوہ دارالحدیث بھی تھی اور جن کے حلقہ درس و تقریر سے استفادہ کرنے والے بڑے بڑے علماء کرام تھے۔

ناچیز نے اپنی کتاب "فوائد الفواد کا علمی مقام" میں حضرت محبوب الٰہی کے علم حدیث، تفسیر اور فقہ و کلام میں بلند مرتبہ عالم ہونے پر تفصیل سے لکھا ہے۔

شاہ عبدُالحق محدّث دہلویؒ شاہ عبدالحق محدثؒ دہلوی کا عہد اکبر بادشاہ کا عہد ہے۔ شاہ صاحب کو محدّث دہلوی ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل ہوا، کیونکہ آپ نے بخارا سے دلی میں قیام کر کے احادیث کے پورے نصاب (صحاح ستہ) کو رواج دیا اور مسجد خیر المنازل کے عقب میں اپنے عظیم مدرسہ کے اندر طویل عرصہ تک حدیث کا درس دیا۔ حضرت شیخ المشائخ (۶۳۶ھ) اور محدّث دہلوی (۹۶۹ھ) کے درمیانی عرصہ میں حضرت شیخ کے پھیلائے ہوئے علوم حدیث کا چرچا رہا اور حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی اور پڑھائی جاتی رہی۔

شیخ حمید الدین ناگوری

حضرت محبوب الٰہی سے پہلے بھی چشتی بزرگوں نے علم حدیث سے پوری دلچسپی لی، چنانچہ شیخ ناگوری کا واقعہ یہ ہے۔

آپ حضرت خواجہ اجمیری کے خلیفہ اجل تھے۔ ناگور (راجستھان) میں قیام تھا، آپ نے علم تصوف سے زیادہ علم حدیث کو اہمیت دی، ایک مرید نے تصوف کے بارے میں کچھ پوچھا تو فرمایا!

مرا ایں جا مشغولی ست کہ خلق ناگور دریں وقت طرز من علم احادیث مے شنوند و مرا فرصت نیست کہ در میاں ترا علم تصوف بیاموزم۔ (مشائخ چشت ۱۴۹)

"میں ناگور کی مخلوق کو علم حدیث سنا رہا ہوں، تصوف کا علم سکھانے کی مجھے فرصت نہیں"۔

شاہ فخر الدین اورنگ آبادی

شاہ صاحب اپنے عہد (شاہ عالم بادشاہ) کے بڑے بلند مرتبہ محدث اور صوفی تھے، ۱۱۶۰ھ میں دلی تشریف لائے اور مدرسہ غازی الدین اجمیری گیٹ دلی میں درس حدیث دفعۃً شروع کیا۔ آپ احادیث صحاح میں بخاری و مسلم خاص طور پر پڑھاتے تھے دوسری طرف مدرسہ رحیمیہ تھا جسمیں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ تفسیر وحدیث کا درس دیتے تھے۔

شاہ فخر الدین صاحب کے درس میں تصوف کا رنگ غالب تھا اور مدرسہ رحیمیہ درس حدیث کے ساتھ انقلابی تحریک کا مرکز بھی تھا۔ انقلابی جدو جہد کے نتیجہ میں ولی اللّٰہی خاندان پر جو مصائب نازل ہوتے تھے، شاہ صاحب ان مصائب میں اس خاندان کی مدد کرتے تھے کیونکہ غلبۂ تصوف کے سبب شاہ صاحب ہر قسم کی تحریکات سے دور رہتے تھے۔

آپکے والدین شاہ نظام الدین اورنگ آبادی حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید خاص تھے۔ آپکا دور دلّی والوں کیلئے زبردست تباہی کا دور تھا اور آپ کی ذات تباہ حال مسلمانوں کیلئے خدا تعالیٰ کا خاص عطیہ تھی، آپ کی طرف یہ واقعہ منسوب ہے کہ،

ایک غریب بڑھیا کی فریاد پر آپ نے نفلی حج کا پروگرام ملتوی کر کے تمام زاد راہ اسے عطا کر دیا تھا، تاکہ وہ اپنی تین جوان لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر دے۔

شاہ صاحب کے عرس کی تقریب میں قرآن کریم اور بخاری شریف کا ختم ہوتا تھا۔

(مشائخ چشت ص۵۱۴)

شاہ عبدُالرّحیم محدّث دہلویؒ

آٹھویں صدی ہجری باہر سے آنے والے اہل کمال کے ہندوستان میں آنے کی ہے۔ اسی دور میں شاہ ولی اللہ کے مورث اعلیٰ ہندوستان آئے۔ یہ شیخ شمس الدّین فاروقی تھے۔ شاہ عبدالرحیم اسی فاروقی خاندان کے صاحب علم وروحانیت بزرگ تھے۔ آپ نے مہندیان (میر درد روڈ دہلی) میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا، یہ عالمگیر کا دور تھا، آپ نے اس مدرسہ میں حدیث، تفسیر اور فقہ کا درس دیا۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں آپ بھی شامل تھے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ

شاہ عبدالحق محدّث دہلوی گیارہویں صدی ہجری کے مجدّدین میں شامل تھے اور شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ) بارہویں صدی کے مجدد تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کے قائم کردہ مدرسہ (مدرسہ رحیمیہ) میں درس حدیث، تفسیر وفقہ کا سلسلہ شروع کیا اور پھر حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور حرم مکّہ میں مصلّے حنفی کے پاس درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور اہلِ حرمین نے آپ کے مجتہدانہ علوم سے استفادہ کیا۔

شاہ عبدُالعزیز صاحبؒ اور برادران

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے وصال کے بعد آپ کے لائق صاحبزادوں، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالغنی، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے والد کی مسند علمی کو رونق بخشی، مدرسہ رحیمیہ مہندیان سے منتقل ہوکر کلاں محل کے محلہ میں آگیا اور مدرسہ شاہ عبدالعزیز کہلایا۔ شاہ صاحب نے (۱۲۳۹) میں وفات پائی۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے مسجد اکبر آبادی (واقع چوراہا دریا گنج دلی) میں اپنا

مدرسہ قائم کیا، جس میں درس حدیث دیا، اور دہلی میں پہلا ترجمہ و تفسیر (موضح قرآن) ترتیب دیا اور مولانا اسماعیل شہیدؒ اور سیّد احمد شہیدؒ جیسے مجاہد علماء کی تربیت کی۔ مسجد اکبر آبادی کو اس جرم میں انگریزوں نے مسمار کر دیا کہ یہ مسجد مجاہدین کی تربیت گاہ رہی تھی۔ شاہ صاحبؒ نے (۱۲۳۰ھ) میں وفات پائی۔

خاندان ولی اللّٰہی کے یہ محدّثین و مفسرین قبرستان مہندیان کے جس چبوترہ پر آرام فرما ہیں، بعض عارفین نے اس چبوترہ کو جنّت البقیع کا قطعہ قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب کی ننہیال پھلت مظفر نگر ہے آپ کے اجداد تین سو برس سے دلّی میں آباد تھے۔

مفتی صدرُالدّین آزردہؒ

شاہجہاں کے قائم کردہ دینی مدرسہ دارالبقار کے شیخ الحدیث اور مفتی تھے۔ مغل حکومت کے منصب صدرالصدور پر فائز تھے۔ اصلاً کشمیری تھے مگر ساری زندگی دلی میں گزاری۔ جہاد کے فتویٰ پر دستخط کرنے کے جرم میں انگریز حکومت کے عتاب میں آئے اور آخری زندگی بڑی مشکلات میں بسر کی۔ مفتی صاحبؒ شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے۔

شاہ محمد اسحاق محدّث دہلویؒ

شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے لائق نواسے شاہ محمد اسحاق کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ نے بازار چتلی قبر (پھاٹک کھیروالا) میں اپنا مدرسہ قائم کرکے درس حدیث شروع کیا جو بعد میں مدرسہ شاہ اسحاق کہلایا۔ شاہ اسحاق صاحب استاد المحدّثین تھے۔ آپ نے ۵۷ء کے حالات سے متاثر ہوکر مکہ معظمہ ہجرت فرمائی اور تاحیات حرم پاک میں حدیث کا درس دیا۔ دلّی کے قیام کی تاریخ ۱۲۳۹ھ ہے اور مکّہ معظمہ کے قیام کی تاریخ ۱۲۶۲ھ ہے۔

شاہ محمد یعقوب صاحب محدّث رح آپ شاہ محمد اسحٰق صاحب محدّث کے چھوٹے بھائی تھے. آپ بھی اپنے بھائی کے ساتھ تعلیم حدیث میں مشغول رہے اور شاہ اسحاق صاحب رح کی وفات کے بعد بیس برس تک حرم پاک میں درسِ حدیث دیتے رہے۔

شاہ عبدالغنی مجدّدی رح آپ شاہ اسحاق کے شاگرد تھے. استاد کی ہجرت کے بعد آپ نے مدرسہ شاہ اسحاق میں ۲۵ سال تک درس حدیث دیا اور ۵۷ء کے ہنگامے کے دوران آپ بھی مکّہ معظمہ ہجرت کر گئے اور بارہ سال تک مدینہ منوّرہ میں حدیث شریف پڑھائی۔ آپ نے ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ شاہ صاحب کی ایک اُردو رباعی بہت مشہور ہے۔

کجا صوفی وصال یار، ہیہات
کہاں ممکن کہاں وہ ذات بے چوں
غنی تو عشق کا ہر گز نہ دم بھر
کہ حیراں ہیں یہاں موسیٰ و ہاروں

نواب قطب الدّین شارح مشکوٰۃ رح نواب صاحب شاہ اسحاق کے شاگرد تھے، اپنے استاد کی نگرانی میں مشکوٰۃ کی شرح اُردو مظاہر حق تصنیف فرمائی اور اپنی تعمیر کردہ مسجد (امرود والی بلبلی خانہ) میں حدیث نبوی ص کا درس جاری کیا. آپ مکہ معظمہ میں مدفون ہیں. آپ قلعہ معلّی کے عمائدین میں شامل تھے اس لئے نواب مشہور ہوئے۔

مولانا مملوک علی نانوتوی ثم الدہلوی آپ مولانا رشید الدین صدر مدرس مدرسہ

دارالبقار عقب جامع مسجد دہلی کے شاگرد تھے۔ مولانا رشید الدین صاحبؒ نے دارالبقار ختم ہونے کے بعد مدرسہ غازی الدین اجمیری گیٹ میں پڑھانا شروع کیا آپ کے بعد آپ کے شاگرد مولانا مملوک علی نے مسند تعلیم سنبھالی، یہاں سے علم حدیث و تفسیر کی شمع فروزاں دیوبند پہنچی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی شاگردانِ مملوک علی کے ہاتھوں دیوبند اور گنگوہ میں علم حدیث و تفسیر کے مرکز قائم ہوئے۔ سرسیدؒ (شاگرد مولانا مملوک علی) نے علی گڈھ میں جدید علوم کی درسگاہ قائم کی، مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

میاں نذیر حسین محدّث دہلویؒ

شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد میاں نذیر حسین نے پھاٹک جبش خاں کی مسجد میں درس حدیث شروع کیا، آپ فقہاء اربعہ کی تقلید پر انحصار کے قائل نہ تھے۔ آپ حدیث کی تعلیم و تفہیم میں بلند پایہ مقام کے مالک تھے۔ دلی کے رواج پسند معاشرہ کی آپ کے ذریعہ بڑی اصلاح ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے میاں صاحب کا بڑی عقیدت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

مولانا محمد یونس صاحبؒ

مدرسہ میاں صاحب میں میاں صاحب کے بعد مولانا محمد یونس صاحب درس حدیث دیتے تھے۔

مولانا احمد اللہ صاحبؒ

مسلک اہل حدیث کا ایک بڑا مدرسہ برف خانہ باڑہ ہندو راؤ میں تھا۔ جہاں آج کل شفیق میموریل اسکول قائم ہے، اس مدرسہ میں مولانا احمد اللہ صاحب حدیث پڑھاتے تھے۔

مولانا عبدالوہاب صاحبؒ

صدر بازار دریبہ پان میں مدرسہ غربار اہل حدیث ہے اس کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالوہاب تھے جو عام علمار حدیث سے زیادہ تشدد پسند واقع ہوئے تھے۔ ان کے فاضل صاحبزادے مولانا عبدالستار صاحب ۴۷ء میں کراچی منتقل ہو گئے تھے۔

مولانا محمد صدیق نجیب آبادیؒ

مدرسہ صدیقیہ کے نام سے پھاٹک حبش خاں میں ایک حنفی مسلک کا بھی مدرسہ تھا اس میں مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی پڑھاتے تھے۔ مولانا عبدالسمیع صاحب نے بھی اسی مدرسہ میں پڑھایا ہے۔

مولانا عبدالسبحان صاحب

محلہ قصاب پورہ کی مسجد میں مدرسہ سبحانیہ کے نام سے مدرسہ تھا جو اب بھی ہے، اس میں مولانا عبدالسبحان صاحب (میوات) حدیث وتفسیر پڑھاتے تھے۔ مرحوم مفتی کفایت اللہ کے شاگرد تھے۔

نواب ضمیر مرزا صاحب

لوہارو خاندان کے فرد تھے بڑے اہل حدیث عالم تھے پھاٹک لوہارو گلی قاسم جان کی وسیع ڈیوڑھی میں مخصوص لوگوں کو حدیث پڑھاتے تھے۔ الجمعیۃ کے ایڈیٹر مولانا محمد عثمان فارقلیط نے نواب صاحب سے حدیث کا درس لیا۔

نواب صاحب کا تعلق بالاکوٹ کی تحریک جہاد سے تھا، اس لئے انگریزی حکومت نے ان کی تفسیر بند کرادی تھی، مسجد نواب قاسم جان میں نواب صاحب تفسیر قرآن بیان کرتے تھے۔

مولانا عبدالسّلام بستویؒ مدرسہ اہل حدیث اُردو بازار میں شیخ الحدیث تھے۔ اب ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب پڑھاتے ہیں۔ موصوف کئی سال مدینہ منوّرہ میں تعلیم کے لئے مقیم رہے۔ مولانا عبدالسّلام صاحب درویش صفت عالم تھے۔

مفتی کفایتُ اللہ محدّث دہلویؒ دارالعلوم دیوبند میں علوم دین کی اشاعت کا مرکز جب اپنے عروج کو پہنچا اور مولانا نوتوی کے شاگرد مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے تو اس مجدد عصر کے تعلیمی اور روحانی فیض سے بڑے بڑے محدث اور فقیہ تیار ہوئے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اس جماعت کے ممتاز صاحب علم و بصیرت عالم تھے۔ آپ نے دلی آکر دلی کی امانت کو دلی کے سپرد کیا۔ دیوبند میں شیخ الہند کے دوسرے فاضل تلامذہ مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنیؒ علم حدیث کی روشنی پھیلا رہے تھے اور دلی میں مفتی کفایت اللہ فقہی نقطہ نظر سے احادیث کی تعلیم دے رہے تھے۔

مولانا عبدالغنی شاہجہانپوریؒ مفتی کفایت اللہ کے بعد مدرسہ امینیہ کی مسند حدیث کو رونق بخشنے والے ان کے خاص شاگرد مولانا عبدالغنی تھے۔

مولانا محمد میاں مرادآبادیؒ مولانا عبدالغنی کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اور مولانا انور شاہ کشمیری محدث ہند کے شاگرد رشید مولانا محمد میاں نے حدیث و افتاء کی مسند سنبھالی۔ آج کل مولانا عبدالسمیع صاحب اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب

حدیث وفقہ کی مسند پر رونق افروز ہیں۔

مولانا قاضی سجّاد حسین کرتپوریؒ

مدرسہ عالیہ فتحپوری دلی کا قدیم ترین مدرسہ عربی ہے اس مدرسہ میں علم حدیث کی تعلیم کے لئے مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سلطان محمود صاحب گجراتی جیسے اکابر علم تشریف لاتے رہے۔ مولانا گجراتی تقسیم کے بعد اپنے وطن تشریف لے گئے اور ان کی جگہ مولانا قاضی سجاد حسین نے درس حدیث کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد حضرت قاضی صاحب نے اپنے حسن تدبیر اور علمی لیاقت سے اس تاریخی مدرسہ کو چلایا۔ قاضی صاحب نے فارسی کی اہم ترین کتابوں کا ترجمہ کیا۔

قاضی صاحب کے بعد مولانا عبدالغفار صاحب ابن مولانا عبدالسبحان صاحب علم حدیث کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالغفار صاحب اپنے والد کی طرح ایک زہد مزاج اور قناعت پسند عالم ہیں۔

مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

شیخ الہند کے داماد اور شاگرد مولانا محمد شفیع صاحب نے مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ میں درس حدیث جاری کیا، یہ مدرسہ مولانا عبدالرب دہلوی نے قائم کیا تھا۔ مشہور مجددی بزرگ مولانا شاہ زید مجددی انہی کے شاگرد تھے۔

مولانا محبوب الٰہیؒ

مولانا محمد شفیع صاحب کے بعد حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور بھانجے مولانا محبوب الٰہی صاحب نے درس حدیث دیا۔ مرحوم مسجد قمرالدین نواب گنج میں درس تفسیر بھی دیتے تھے۔

سن ۱۷۰۱ء میں وفات پائی۔ آپ کے بعد اس مدرسہ میں کوئی قابلِ ذکر عالم مقرر نہ ہو سکے۔

مولانا نور الحسن دیوبندیؒ مدرسہ حسین بخش دلی کا ایک تاریخی مدرسہ ہے اس مدرسہ میں مولانا نور الحسن دیوبندی ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا عبد الشکور صاحبؒ مہاجر مدنی اور مولانا مظاہر امام بہاری اور مولانا فضل الرحمٰن مراد آبادیؒ نے درس حدیث دیا۔ آج کل مولانا شمیم صاحب حدیث پاک پڑھا رہے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب جامعہ رحیمیہ مہندیان میں مولانا محمد اسحاق صاحب (میوات) اور مولانا جمال الدین اعظمی نے حدیث نبوی کا درس دیا۔

مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی حسن اتفاق سے کچھ دنوں کے لئے دار العلوم دیو بند کے بلند پایہ استاد حدیث وتفسیر مولانا محمد نعیم صاحب اس مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

راقم اس مدرسے کا مہتمم تھا۔ مولانا آجکل دار العلوم (وقف) کے استاد ہیں۔ مولانا کے صاحبزادے قاری عبد اللہ صاحب نے امریکہ میں ایک دینی مرکز قائم کر رکھا ہے۔

مولانا محمد یعقوب بمبانوی آپ بخاری شریف کے محشی ہیں، افغانستان سے دلی تشریف لائے اور علم حدیث کی خدمت کرتے ہوئے دلی کی آغوش میں

آرام فرما ہوگئے، آپ کا مزار مسجد تہور خاں کی مشرقی جانب دیوار سے ملحق ہے۔
آپ عالم گیر کے لشکر میں قاضی تھے۔

مولانا عبد الدائم جلالیؒ

مولانا جلالی رام پور کے باشندے تھے، آپ مدرسہ عالیہ فتحپوری میں تشریف لے آئے، مولانا مرحوم حدیث و تفسیر اور ادب و فقہ کے بڑے جید عالم تھے۔ بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کا نہایت عمدہ اردو ترجمہ کیا ہے اور زندگی کا آخری حصہ دہلی میں ہی گزارا۔ مرحوم علماء سلف کی خصوصیات کے حامل تھے۔

مولانا محمد یوسف حضرت جیؒ

مدرسہ کاشف العلوم مسجد بنگلہ والی نظام الدین میں مولانا محمد یوسف صاحب خلف الصدق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب حدیث پاک کا درس دیتے تھے۔
اس مدرسہ کے آخری شیخ الحدیث مولانا اظہار الحسن صاحب تھے جن کا وصال ہوگیا۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

اس ناچیز نے مولانا عبد الشکور صاحبؒ کے بعد مدرسہ حسین بخش میں چند روز بخاری شریف کا درس دیا، مولانا محمد میاں شہید دہلوی ناظم مدرسہ نے اس خاکسار کو حدیث کے اسباق پڑھانے اور مولانا سید محمد فاروق دہلوی مرحوم کو جمعہ کی نماز اور خطابت کیلئے مقرر کیا۔
مولانا محمد فاروق صاحب حضرت مفتی اعظمؒ کے بہت معتمد شاگرد تھے۔
مدرسہ میں بڑی بڑی عمر کے طلباء بھی تھے جن میں ایک بخاری بزرگ بھی

تھے، انھوں نے ناظم صاحب سے شکایت کی کہ ہمیں ایک نوعمر سے بخاری پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مولاناؒ نے مجھے بلاکر مجھ سے معذرت کی اور جمعہ کا وعظ میرے سپرد کردیا۔

مولانا فاروق صاحب کو ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم (صدر سنی مجلس اوقات) نے بچوں کے گھر دریا گنج کا نگراں مقرر کردیا۔

کئی سال کے بعد پھر وہ وقت آیا جب میں نے دلی وقف بورڈ کی ملازمت ترک کرکے مدرسہ میں تدریس شروع کردی، بڑی کتابوں میں تفسیر جلالین اور ابوداؤد شریف میرے پاس تھی۔

مولانا مظاہر امام بہاری صدر مدرس تھے۔

ہند و پاک کے مشہور

مفسرین قرآن

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ اسلامی علوم کی روشنی بھی آئی اور ہندوستان آنے والے سیاسی حکمرانوں کے ساتھ علمار اسلام بھی آئے. تاریخ بتاتی ہے کہ محمد ابن قاسم کے ساتھ بصرہ کے علمار بھی تھے، جنھوں نے فقہی جزئیات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستان کے غیر مسلم (ہندو) اہل کتاب (یہود و نصاری) کے مشابہ ہیں اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ وہی معاملہ (آزادی و رواداری) کیا جائے جو معاملہ اہلِ کتاب کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

محمد ابن قاسم (۹۳ء) کے بعد چوتھی صدی ہجری میں بصرہ کا مشہور سیاح شہر ابن یار ہندوستان آیا، اس مورخ نے (عجائب الہند صفحہ ۲ میں) نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے بڑے راجہ مہاراجہ ولبھ رائے نے منصورہ (دارالحکومت سندھ) کے مسلمان حاکم عبداللہ ابن عمر کو لکھا کہ مجھے ہندی زبان میں اسلامی عقائد پر لکھ کر بھیجا جائے میں اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں. عبداللہ نے ایک عراقی عالم کو اس کام پر مامور کیا، یہ عالم سنسکرت کا بہترین عالم تھا، اس نے سنسکرت زبان میں ایک نظم لکھی جو مہاراجہ کو بھیجدی گئی، مہاراجہ بہت متاثر ہوا اور اس عراقی عالم کو اپنے پاس بلا لیا اور اس کو حکم دیا کہ مجھے ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر سناؤ۔ اس عالم نے سورۃ یٰسین کا انتخاب کیا، راجہ تخت پر بیٹھتا اور عراقی عالم اس کے سامنے بیٹھ کر تفسیر بیان

کرتا۔ تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ عالم جب سورۂ یٰسین کی آیت (۷۹) پر پہنچا جو سورت کی آخری آیات ہیں اور ان آیات میں خدا تعالیٰ نے انسانوں کو براہِ راست مخاطب کرکے انسانی تخلیق اور پھر اس کے آخری انجام کی طرف متوجہ کیا ہے تو وہ راجہ تخت سے اتر کر زمین پر سجدہ ریز ہو گیا اور اقرار کیا کہ یہ کلام خدائے ازلی وابدی کا کلام ہے راجہ نے اس عالم کو بڑے انعام واکرام سے نواز کر واپس کر دیا۔ عراقی عالم نے واپس جاکر عبداللہ کو بتایا کہ راجہ نے اپنے لئے ایک علیٰحدہ مکان تعمیر کرا کر اس میں عبادت کرنی شروع کر دی ہے اور یہ اظہار کیا ہے کہ میں امور سلطنت پر تنہائی میں غور کرتا ہوں۔ قرآن کریم کے انقلابی اثر کے ظہور کا اس ملک میں یہ پہلا واقعہ تھا، اس کے بعد اس سرزمین نے کئی سو برس تک وحی الٰہی (قرآن کریم) کے انوار سے براہِ راست منور ہونے کا انتظار کیا۔

قرآن کریم کی روشنی کلام نبوّت (حدیث) اور اخلاق نبوی (تصوف) کے واسطہ سے ضرور پھیلتی رہی لیکن علمی اور دعوتی سطح پر براہِ راست کلام الٰہی کی اشاعت کا فریضہ اس امت کے ذمہ باقی رہا۔

دسویں صدی، ہجری میں شیر شاہ سوری کے استاد شیخ شہاب الدین دولت آبادی نے فارسی میں تفسیر قرآن کریم (بحر مواج) لکھی مگر یہ تفسیر زیادہ مقبول نہ ہو سکی اور خواص کے اندر ہی محدود رہی کیونکہ حکمراں اور دولت مند طبقہ سیاسی فتوحات میں مشغول تھا۔ تاتاری فتنہ (ساتویں صدی ہجری) نے جب خلافت عباسی پر فوجی یلغار کی اور بغداد و بصرہ پر تباہی نازل ہوئی تو مشیت الٰہی نے بڑے بڑے علمی اور روحانی بزرگوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کی ہدایت کی۔ یہ التمش کا دور تھا، ان بزرگوں میں حدیث و تفسیر کی اشاعت، ملفوظات کے انداز میں جس بزرگ نے نمایاں طور پر کی وہ خواجہ نظام الدّین اولیاء تھے۔ شیخ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت

اہلِ علم و تصوف کے سامنے تفسیر بیضاوی اور تفسیر زمخشری رہتی تھی ۔ جہاں تک تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن کا تعلق ہے تو اس کی اشاعت کا جذبہ چشتی مشائخ کے اندر اتنا ہی شدید تھا جو سلف صالحین کی خصوصیت تھی ۔

حضرت خواجہ اجمیری کا سب سے بڑا وظیفہ اور محبوب عمل قرآن کی تلاوت و قرآت تھی ۔ قرآن کریم کو تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام صوفیاء چشت کی خصوصیت رہی ہے ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی خانقاہ میں حفظ قرآن مع تجوید کا انتظام کرتے تھے یہاں تک کہ دیکھنے والا خانقاہ کو حفظ خانہ سمجھتا تھا ۔ بعض اہل قلم نے لکھا ہے کہ سبع قرآت ہندوستان میں لانے والے صوفیاء چشت ہی تھے ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے اس تصور کی برابر تبلیغ کرتے تھے کہ قرآن کریم سے جو سلوک حاصل ہوتا ہے وہ اگرچہ دیر میں ہوتا ہے مگر اس میں پائیداری ہوتی ہے ، آپ نے اپنے بدایونی استاد قرآن کرشادی (قاری) کا بڑی عظمت سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بدایوں کے ایک ہندو رئیس کے غلام تھے مگر ان کی تعلیم میں کرامت تھی وہ جس کو تھوڑا سا حصہ پڑھا دیتے تھے اس کے لئے پورا قرآن کریم آسان ہو جاتا تھا ۔ شیخ تاکید کرتے تھے کہ سماع (بلا مزامیر) پر تلاوت قرآن غالب رہنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ سماع کے شوق میں عرفان حق کا اصل وسیلہ (تلاوت) مغلوب اور متروک ہو جائے ۔

صوفیاء چشت کے بعد اکبری عہد میں شیخ محدث دہلوی (۹۶۸ھ) نے ہندوستان میں پورے نصاب احادیث کا درس شروع کیا ، ہر فن میں بڑی بڑی (تقریباً ساٹھ) کتابیں تصنیف کیں مگر تفسیر قرآن میں صرف ایک چھوٹی کتاب (تفسیر آیت نور) تصنیف کی ، ایک رسالہ تجوید کے فن پر لکھا ، اب بارہویں صدی ہجری میں امام شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ء) کا دور آیا ۔

خاندان ولی اللّٰہی شاہ صاحب کے ہاتھوں مشیت الٰہی نے قرآن کریم کی اشاعت اور خدا کی مخلوق کو وحی الٰہی سے براہ راست متعارف اور منور کرانا مقدر کر رکھا تھا، چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے مشن کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپکو "آخری عہد کا فاتح" قرار دے کر پیش کیا۔ یہ ادعار آپ کے دل میں بارگاہ نبوت کی حاضری کے وقت ڈالا گیا۔ (انفاس العارفین ۲۰۷)

فتح الرحمٰن شاہ صاحب نے حرمین شریفین کے فیوض حاصل کرنے کے بعد دلّی واپس آکر فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ (فتح الرحمٰن) کے نام سے کیا اور اس پر مختصر حواشی تحریر کئے۔ اپنے مدرسہ میں تفسیر کی متداول کتابیں پڑھانے سے پہلے براہِ راست قرآن کریم کے ترجمہ کو داخل نصاب کیا۔ شاہ صاحب نے اصول تفسیر پر ایک نہایت جامع کتاب (الفوز الکبیر) بھی تصنیف کی جو اصولِ تفسیر پر بے مثال کتاب ہے۔ اسی کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ تصنیف کی جو در اصل قرآنی علوم کی مکمل شرح و تشریح ہے۔

تفسیر مرادیہ شاہ صاحب کی تحریک کے اثرات پھیلنے شروع ہوئے۔ سنبھل میں شاہ مراد اللہ انصاری نے تفسیر مرادیہ کے نام سے پارہ عم کی تفسیر لکھی، جس کا سن تالیف (۱۱۸۴ھ) ہے۔ مولانا انصاری تحریک جہاد (بالاکوٹ) سے وابستہ تھے ناچیز (اخلاق حسین) نے اس تفسیر کا مطالعہ کیا ہے، اب وہ ناپید ہو چکی ہے۔

بابائے اردو مولوی عبد الحق نے اس عہد کے لحاظ سے اس تفسیر کی زبان کو نہایت فصیح زبان قرار دیا ہے۔

موضح قرآن | شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالقادر نے
بامحاورہ اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور تفسیری حاشیہ تحریر کیا، آپ نے مقدمہ
میں اپنے ترجمہ کی زبان کو ہندی زبان لکھا ہے کیونکہ آپ نے ترجمہ کی زبان کو بڑی
حد تک عربی اور فارسی کے الفاظ سے محفوظ رکھا اور ضرورت کے وقت ہندی اور
سنسکرت کے متعارف الفاظ استعمال کئے۔ موضح القرآن کا سن تالیف ۱۲۰۵ھ
۱۷۹۰ء ہے اور موضح القرآن تاریخی نام ہے۔ بڑے صاحبزادے شاہ رفیع الدّین
نے اپنے شاگرد سید نجف علی کو تحت لفظ ترجمہ املاء کرایا۔ ان دونوں ترجموں کی تصنیف
کا ایک ہی وقت ہے۔ شاہ رفیع الدّین نے تفسیر کے بعض اہم موضوعات پر
چند چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

تفسیر عزیزی | سب سے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے فارسی میں
تفسیر عزیزی لکھی جو شروع کے دو پاروں اور آخر کے دو پاروں پر مشتمل ہے۔ اسکا
اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ تفسیر اگر مکمل ہو جاتی تو علوم دین اور علوم کائنات کا
ایک عظیم ذخیرہ ہوتا۔

فورٹ ولیم کالج کلکتہ | انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ایسٹ انڈیا
کمپنی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا تاکہ اردو کتابوں کی اشاعت کی جائے۔ ڈاکٹر
جان گل کرسٹ اس کے منتظم تھے۔ جنھوں نے اردو کی کئی کتابیں شائع کیں اور
قرآن کریم کے ترجمے کے لئے علماء کی ایک کمیٹی بنائی جس میں سید نجف علی (شاگرد
شاہ رفیع الدین) بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے پورے قرآن کا اردو ترجمہ مرتب کیا،

گل کرسٹ لندن چلے گئے اور یہ ترجمہ چھپنے سے رہ گیا۔ ناچیز جب موضح قرآن پر تحقیقی کام کر رہا تھا تو اس وقت (بیس سال قبل) ایشیاٹک سوسائٹی میں اس قلمی مسودہ کا مطالعہ کیا۔ کتب خانہ میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو اس مسودہ پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے تھے لیکن آج تک وہ تحقیقی کام اہلِ علم کے سامنے نہ آسکا حالانکہ وہ تاریخی چیز ہے اسے چھپنا چاہیئے۔

مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ جس دور میں اردو زبان گھٹنوں چل رہی تھی شاہ صاحب نے ایسی فصیح با محاورہ اردو میں اتنا عظیم کام انجام دیا، اس ناچیز نے اردو تراجم کے تقابلی مطالعہ (محاسن موضح قرآن) میں شاہ صاحب کے علمی اور ادبی محاسن پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک جدید مستند نسخہ مرتب کیا ہے جسے املائی غلطیوں اور کتابتی سہو سے محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کراچی پاکستان کے مطبع ایچ ایم سعید نے اس تصحیح شدہ نسخہ کی کتابت تو کرالی ہے لیکن اس کا انتظار ہے کہ ولی اللہی علوم قرآن کا وہ بے مثال ذخیرہ کب طبع ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتا ہے؟

ڈپٹی نذیر احمد

ڈپٹی نذیر احمد نے ۱۸۹۶ میں اپنا مشہور با محاورہ اردو ترجمہ تحریر کیا، ولی اللہی خاندان کے تراجم کے بعد جدید با محاورہ اردو میں یہ پہلا ترجمہ ہے اور تمام بعد والوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے بعض اردو محاورے ایسے استعمال کئے ہیں جو کلام الٰہی کی ترجمانی کے لئے موزوں نہیں ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ساتھ ترجمہ کا کام کرنے والوں میں مولانا فتح محمد جالندھری بھی تھے، انھوں نے اس اعتراض کی بنا پر ڈپٹی نذیر احمد سے علیحدہ ہو کر اپنا ترجمہ لکھا یہ ترجمہ قابل اعتراض محاوروں سے محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی | مولانا سندھی (شاگرد خاص شیخ الہند) نے دیوبند سے علیحدہ ہو کر دلی میں مسجد فتحپوری کے جنوبی بالائی کمرہ میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس میں ولی اللہی فکر کے مطابق درس تفسیر شروع کیا۔ مولانا سندھی کی گرفتاری کے بعد ان کے داماد مولانا احمد علی لاہوری نے ذمہ داری سنبھالی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ | مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن کے نام سے کئی جلدوں میں ترجمہ اور ایک جامع تفسیر لکھی، اس تفسیر نے اہل علم میں اپنی اہم جگہ بنائی، ترجمہ و تفسیر کی زبان البتہ مقامی ہے اس کی طباعت ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔

مولانا دریا آبادیؒ | حضرت تھانویؒ کے مرید خاص مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنے مخصوص ادبی اسلوب اور جدید معلومات کی روشنی میں تفسیر ماجدی اردو اور انگریزی میں مرتب کی اور حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن کو ماخذ و متن بنایا۔

مولانا مفتی شفیع کراچیؒ | دوسرے مرید خاص اور فقہ و فتاویٰ کے بلند پایہ محقق مولانا مفتی محمد شفیع (کراچی) نے اپنے شیخ کی تفسیر کو ماخذ قرار دے کر قرآن کے فقہی مسائل کو واضح کیا، جو معارف القرآن کے نام سے مقبول عام و خاص ہے۔

شیخ الہند علیہ الرحمہ | حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے مالٹا کی اسارت کے دور

میں شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کو آسان بنانے کی کوشش کی اور ۱۹۲۵ء میں موضح فرقان کے نام سے ترجمہ ترتیب دیا اس پر دو پاروں کی تفسیر حضرت شیخ کی ہے اور باقی تفسیری حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی کا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا نے اپنا آبائی وطن دہلی لکھا ہے اور ابتداء میں کچھ عرصہ اپنے نام کے ساتھ دہلوی کی وطنی نسبت بھی لگائی ہے۔ مولانا نے ۱۹۳۱ء میں ترجمان القرآن تحریر کی اور قرآن کریم کی عربی مبین کو اردوئے مبین میں پیش کیا اور بعض اہم تاریخی مسائل کی ایسی تحقیق کی جو بعد میں آنے والوں کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

سرسیّد کی تفسیر سرسید علیہ الرحمہ ولی اللہی اسکول کے بڑے عالم تھے، مگر اس دور کی ملی اور سیاسی ضرورت نے مرحوم کو عقلیت کی طرف زیادہ مائل کر دیا۔ مرحوم کی تفسیر (جو نامکمل تھی) عقلی مسائل میں ولی اللہی مکتب فکر سے دور ہو گئی، لیکن انکا دل عشق نبوی سے معمور رہا۔ مرحوم کی فارسی رباعی ہے۔

فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم
مسیحا رشک مے دارد بہ درمانے کہ من دارم
خدا دارم دل بریاں ز عشق مصطفٰے دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

تفسیر حقّانی مولوی عبدالحق حقانی دہلوی نے تفسیر حقانی کے نام سے کئی جلدوں میں یہ تفسیر ترتیب دی اس کا سن تالیف ۱۹۳۲ء ہے۔ حقانی صاحب نے اپنی تفسیر میں

سرسید مرحوم کی تفسیر البیان کے اختلافی نظریات کی تردید کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ مولانا نے ایک ضخیم مقدمہ بھی لکھا ہے جس کے بارے میں مولانا انور شاہ کشمیری کے تاثرات یہ ہیں کہ اس مقدمہ کی نظیر اگرچہ ممکن ہے لیکن واقع نہیں۔ اسی مقدمہ کو ایک پاکستانی عالم نے معمولی ردو بدل کر کے دوسرے نام سے شائع کیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ مودودی صاحب کا خاندان عرب سرائے دلی سے کوچہ پنڈت گلی عزیزالدین وکیل کے برابر ایک پھاٹک میں منتقل ہوا۔ پھر یہاں سے ان کے والد حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ مولانا نے ۱۹۵۱ء میں تفہیم القرآن کے نام سے کئی جلدوں میں تفسیر قرآن لکھی۔

یہ تفسیر جدید ذہن کو پیچیدہ مسائل دینی میں مطمئن کر دیتی ہے۔ تفہیم القرآن کی دو ہم عصر تفسیریں ہیں ایک کا تذکرہ اوپر کیا گیا یعنی معارف القرآن، دوسری تدبر قرآن ہے جو مولانا حمیدالدین فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی (لاہور) نے لکھی ہے یہ قرآن کریم کے ادبی پہلو کے معارف پر مشتمل ہے۔

سحبان الہند دہلویؒ مولانا احمد سعید دہلوی (نسباً کشمیری) کو اپنے ہم عصر علماء میں جو خصوصیت حاصل تھی اس انفرادیت و امتیاز نے ہندوستان کے کونہ کونہ میں شاہ عبدالعزیز کی دلی کا سر اونچا کر دیا۔ مولانا کے ہم عصر علماء میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد طیب صاحبؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے اپنے خاص رنگ میں بہترین خطیب واعظ تھے مگر قدرت نے خطابت کا جو رنگ مولانا احمد سعیدؒ کو عطا کیا تھا اس میں دوسرا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ مولانا کی

خطابت کی خصوصیت یہ تھی کہ مرحوم قرآن کریم کی آیات سے اپنی تقریر کو مرصع و مزین
کرتے تھے اور دہلوی زبان میں قرآنی معارف کو عام کرتے تھے، دوسرے واعظ
لطائف، اشعار اور زور دار ادبیت سے پُر کر کے اپنی خطابت کو موثر بناتے تھے
لیکن سحبان الہند کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات کا استحضار عطا کیا تھا کیونکہ
مرحوم قرآن کریم کے بہترین حافظ تھے۔ علماء سمجھتے تھے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا جو
کمال ابن کثیر دمشقی (ساتویں صدی ہجری) کو قدرت نے عطا کیا تھا وہ تحریری تھا
اور مولانا مرحوم کو یہ کمال تقریر اور خطابت میں حاصل تھا۔ یہ خطابت بالقرآن کی وہ
خصوصیت تھی جس میں مرحوم منفرد تھے۔ مولانا احمد سعید مفتی کفایت اللہ کے شاگرد تھے
اور اس طرح شیخ الہند کے دامن فیض سے وابستگی کا شرف رکھتے تھے۔ شیخ الہند
نے مالٹا کی نظر بندی سے واپس آکر یہ فرمایا کہ مسلمانوں کے بگاڑ کی وجہ یہ ہے کہ وہ
قرآن کریم سے دور ہو گئے ہیں، میں نے زمانہ نظر بندی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان
واپس جاکر قرآن کریم کی براہ راست تعلیم کو عام کروں گا۔ شیخ الہند کا یہ جذبہ
خطابت و تقریر کے دائرہ میں مولانا احمد سعید کے اندر نمودار ہوا اور شیخ الہند کی
یہ خواہش ان کی تحریک سے تعلق رکھنے والے علماء نے انجام دی اور دلی کی
اہم مساجد میں ترجمہ قرآن کی مجلس قائم ہوئیں۔

مولانا نے ۱۹۵۷ء میں کشف الرحمٰن کے نام سے دو جلدوں میں تفسیر
لکھی اور اس میں یہ کوشش کی کہ دہلی کی ہلکی پھلکی اُردو میں قران کریم
کو پیش کیا جائے۔

مولانا کے خاص تفسیری ذوق پر پہلے لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر قرآن کا نصاب

پاکستان کے مشہور اسلامی مفکر اور تحریک خلافت

اسلامی کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خدا تعالیٰ نے قرآن فہمی کا خاص ملکہ عطا کیا اور اسی کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآن کریم کے پیش کردہ نظامِ حیات کو سمجھانے کی قدرت بھی ڈاکٹر صاحب میں خدا کا عطیہ خاص ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کے مختلف حصوں کو قرآنی نصاب کے طور پر مرتب کیا ہے۔ اور یہ نصاب قرآن کالج (قرآن اکیڈمی) لاہور میں پڑھایا جاتا ہے۔

بصائر القرآن ناچیز (اخلاق حسین قاسمی) نے تفسیر قرآن کے خاص خاص موضوعات پر بصائر القرآن کے نام سے ایک اہم تفسیری کتاب مرتب کی ہے۔

خاکسار کے یہ مضامین و مقالات ہند و پاکستان کے اہم رسالوں میں شائع ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ احقر نے تفسیر قرآن کے اہم عنوانات پر اپنی تفسیری مجلس (کڑہ دھوبیان فراش خانہ) میں اپنی تقریریں ٹیپ کرانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

میں نے تفسیر قرآن کے عام طریقہ (مسلسل بیان) کو چھوڑ کر خاص خاص موضوعات پر تقریر کرنے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ تفسیر کے اہم موضوعات پر روشنی پڑ جائے اور کیسٹوں کے ذریعہ ہمیشہ ان سے استفادہ جاری رہے۔

دعا۔ کہ خداوند ذوالجلال بصائر القرآن کی اشاعت کا بھی نصرت غیبی سے انتظام فرمادے۔

دلیؒ کے تفسیری مراکز

۱۹۴۷ء سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک اصلاح کے مطابق دلّی کی جن اہم مساجد میں علمائے کرام درس تفسیر دیتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

مسجد نواب قاسم جان یہ مسجد خاندان لوہارو کی تعمیر کردہ ہے اور اس میں لوہارو خاندان کے صاحب علم وفضل بزرگ نواب ضمیر مرزا تفسیر بیان کرتے تھے۔ انگریزی حکومت نے جب نواب صاحب پر پابندی لگادی تو پھر کچھ عرصہ کے بعد مولانا عبدالرحمن راسخ نے تفسیر بیان کی۔ مولانا مرحوم مولانا محمد حسین فقیر (تلمیذ مولانا گنگوہی) کے چھوٹے لڑکے تھے، بہترین شاعر تھے اور استاد داغ کے شاگرد تھے۔ راسخ صاحب کی جوانی جب ڈھل گئی تو شاعری سے کنارہ کر کے اپنے والد کے اصلاحی مشن کے مطابق اس مسجد میں تفسیر شروع کردی۔ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے راسخ صاحب سے استفادہ کیا ہے اور انہی کے لب ولہجہ نے مولانا کو متاثر کیا ہے۔

راسخ صاحب کے بعد مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر "الامان" نے درس شروع کیا۔ مولانا مظہر الدین تحریک خلافت کے پرجوش رہنماؤں میں شامل تھے۔ تحریر اور تقریر دونوں کا کمال حاصل تھا۔ تحریک پاکستان شروع ہوئی تو مولانا مسلم لیگ کے حامی ہوگئے، تقسیم کے مخالفین پر مرحوم کا اخباری قلم آگ برساتا تھا۔

مولانا کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب نے تفسیر شروع کی آپ تحریک آزادی

کے بڑے سرگرم قائد تھے، دلی جمعیۃ علماء کے ناظم رہے جب مولانا احمد سعید صدر تھے۔ تقریر و وعظ میں دلّی کی بیگماتی زبان میں پرلطف حکایات اور لطیفے بڑے مزے لے لے کے بیان کرتے تھے، دلی والے یہ کہتے تھے کہ آپ مرزا چپاتی داستان گو کی یادگار ہیں۔

دلّی کے پہلے میونسپل الیکشن میں بلی ماران کے حلقہ سے حاجی محمد نسیم بٹن والے (پنجابی) کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے، مولانا الیکشن انچارج تھے۔ الیکشن دفتر (احاطہ کالے صاحب) میں مولانا کو دل کا شدید دورہ پڑا اور اس میں جاں بحق ہو گئے۔ مولانا رات کو سبزی منڈی کی بڑی مسجد میں درس دیتے تھے ان کے والد مرحوم حکیم اجمل خاں کے ہاں کام کرتے تھے۔

مولانا کے بعد ناچیز (اخلاق حسین قاسمی) نے بارہ سال اس مسجد میں تفسیر کا درس دیا اس کے بعد مولانا عبدالدائم جلالی نے تفسیر بیان کی۔ مولانا کے بعد سلسلہ ختم ہوگیا اب یہ مسجد چار منزلہ عظیم الشان عبادت گاہ کی صورت میں جلوہ افروز ہے مگر اپنی تاریخی عظمت (تفسیر قرآن) سے محروم ہے۔

مسجد کٹڑہ ہدّو فراش خانہ کی اس مسجد میں مولانا احمد سعید ترجمہ بیان کرتے تھے آپ کے ترجمہ کی خصوصیت قرآن کریم کے علمی معارف کا اظہار تھا۔ عطار برادری کے حکیم ریاض الدین مرحوم مولانا کے عاشق تھے، ترجمہ کے بعد ان کے گھر سے ناشتہ آتا تھا جس میں چائے کے ساتھ شہد، انجیر، مکھن اور انڈے ہوتے تھے۔ مولانا مرحوم تہراہا بہرام خان سے آتے تھے اس لئے تاخیر سے ترجمہ شروع کرتے تھے۔ یہ احقر اپنا ترجمہ ختم کر کے کبھی کبھی مولانا کے ترجمہ میں شریک ہوتا تھا۔ مولانا صاحب زبان تھے اور اُردو تراجم کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے تھے، جس کی وجہ سے اہلِ ذوق اُردو والے

بڑی دلچسپی سے شریک ہوتے تھے۔

مولانا کے بعد قاضی نصر اللہ (استاد مدرسہ عالیہ) نے ترجمہ بیان کیا، اب اس مسجد میں آزاد فیکٹری والوں محمد سراج، مقبول وفیروز احمد کی نگرانی میں کامیاب دینی مدرسہ نصرت الاسلام کے نام سے قائم ہے۔

مسجد جنگل والی

بارہ ہندو راؤ کی یہ مسجد بڑی تاریخی ہے۔ اس کے میدان میں تحریک آزادی کے بڑے بڑے اہم اجلاس منعقد ہوئے۔ اس مسجد میں تحریک آزادی کے ممتاز جمعیتی رہنما مولانا نور الدین بہاری درس دیتے تھے۔

مولانا بہاری دلی کانگریس کے صدر بھی تھے، جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بھی رہے درویش صفت عالم تھے، اس صفت میں مولانا حسین احمد مدنی کا عکس و مظہر تھے۔ کسب حلال کر کے روٹی کماتے تھے، آزادی کے بعد ان کے دوست راجندر پرشاد صدر ہندوستان نے مرحوم کو بھوپال کے قریب کچھ آراضی دلوادی تھی جس میں مولانا نے کاشت شروع کر دی تھی اور وہیں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ ناچیز مرحوم سے عرض کرتا تھا کہ مولانا آپ تو اس عہد میں ابو ذر غفاریؓ معلوم ہوتے ہیں، یہ مادہ پرستی کا دور ہے آپ کے اس زہد وقناعت کی قدر کرنے والا کون ہے؟ بالآخر وہی ہوا اور مولانا کی زندگی ایک گاؤں میں ختم ہو گئی۔

یہ وہ کانگریسی عالم تھے جن کی زندگی کا اخلاص دیکھ کر بڑے بڑے منہ پھٹ مسلم لیگی شرم سے سر جھکا لیا کرتے تھے۔

پرسنل لاء بورڈ کے ایک اجتماع میں آج کی مسلم لیگ کے صدر بنات والا (ممبر پارلیمنٹ) نے مولانا آزاد کو شو بوائے کہا تھا، مولانا علی میاں (صدر) نے مداخلت کر کے معاملہ کو دبا دیا تھا آج دنیا کے سامنے ہے کہ مسلم لیگ دو ٹکڑے ہو چکی ہے

اور ایک دوسرے پر قومی امانت میں خیانت کرنے کا جرم عائد کر رہا ہے ۔ ؎

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

مسجد نئی سڑک | بڑی مسجد حوض والی نئی سڑک میں مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس مولانا سلطان محمود گجراتی درس تفسیر دیتے تھے۔ آپ کا انداز سادہ اور گہرا تھا۔ دہلی کے مختلف علاقوں کے مسلمان اس میں شرکت کرتے تھے۔

کالی مسجد | بازار بلبلی خانہ کی یہ مسجد فیروز شاہی مساجد (پانچ) میں سے ایک ہے، اس میں مولانا عبدالشکور دیوبندی (مہاجر مدنی) درس دیتے تھے۔ آپ مدرسہ حسین بخش دہلی کے صدر مدرس بھی تھے۔ نہایت بزرگ عالم تھے، اس ناچیز نے حج بیت اللہ کے موقع پر مدینہ منورہ میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، ایک چھوٹے سے کمرہ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مقیم رہے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے برادر بزرگ مولانا سید احمد ان کا بڑا خیال رکھتے تھے، یہ مکان بھی انھوں نے پیش کیا تھا۔ اسکے بعد میں نے مکہ مکرمہ میں پرانی عید گاہ کے ٹرنک والوں کے مکان میں مولانا سے ملاقات کی، جب میں دوبارہ ملنے گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا مدینہ منورہ تشریف لے گئے، ان کے میزبان مرید نے بتایا کہ مولانا حج کے مراسم سے فراغت کے بعد باوجود اصرار کے یہاں نہیں ٹھہرے، بیمار تھے، فرماتے تھے کہ میں مدینہ پاک کی سرزمین پر مرنا چاہتا ہوں اس لئے یہاں نہیں ٹھہرتا۔

مسجد خواجہ میر درد | خواجہ میر درد کی اس مسجد میں مولانا احتشام الحق (پاکستان)

درس دیتے تھے۔ مولانا مرحوم حضرت تھانویؒ کے بھانجے تھے، مسلم لیگ سے تعلق تھا، پاکستان میں جیکب لائن کی مسجد میں بڑی شان سے امامت اور خطابت کی، کراچی میں بڑا ہوا تھی، بھٹو حکومت کا ساتھ دینے کی وجہ سے مولانا کی ہوا اکھڑ گئی۔ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر دہلی آئے اور یہاں سے مدارس گئے وہیں انتقال ہوگیا۔

مسجد کشن گنج | اس مسجد میں مولانا سیّد فخر الحسن تفسیر بیان کیا کرتے تھے، مرحوم مدرسہ عالیہ فتحپوری کے استاد تھے، دارالعلوم دیوبند کے تقاضے پر دارالعُلوم منتقل ہوگئے اور اس یادگار ادارہ میں شیخ الحدیث کے منصب تک ترقی کی۔ مدرسہ عالیہ فتحپوری میں مولانا میرے نہایت مشفق استاد تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ | مولانا حفظ الرحمٰن اور مفتی عتیق الرحمٰن نے بھی یکے بعد دیگرے اس مسجد میں تفسیر کا درس دیا۔ ان دونوں حضرات کا اصل میدان کلکتہ تھا جہاں ان حضرات نے اپنے قیام کے دوران تفسیر قرآن میں اپنی علمی صلاحیت کا سکہ جما دیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن کی پرجوش خطابت اور مفتی صاحب کی علمی نکتہ سنجی کی شہرت دور دور تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کچھ لوگوں نے مولانا حفظ الرحمٰن سے کہا کہ مسجد نواب قاسم جان میں آپ تفسیر بیان کریں، مولانا اخلاق کو دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا، مگر مولانا اس تجویز پر سخت برہم ہوئے اور کہا "آپ لوگوں نے یہ بات سوچی کیسے کہ میں اپنی جماعت کے ایک نوجوان فاضل کو دُور بھیج کر اُن کی جگہ خود بیان کروں۔

مسجد استاد داغ | استاد داغ چاندنی چوک کی مسجد میں اس ناچیز نے دارلعلوم

سے فراغت کے بعد تفسیر بیان کی یہ محلہ دلی مسلم لیگ کا گڑھ تھا، صدر مسلم لیگ شیخ شجاع الحق کا خاندان یہاں آباد تھا۔ یہ خاندان عقائد میں مسلک دیوبند سے تعلق رکھتا تھا، شجاع الحق نے اپنے لڑکے کا نکاح مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید سے پڑھوایا جب کہ مجلس نکاح میں مسٹر جناح، لیاقت علی خان اور مسلم لیگی علماء مولانا ناصر جلالی وغیرہ موجود تھے۔

مسجد چوڑیوالان اس مسجد میں پہلے مولانا حبیب الرحمٰن (ابن مولانا محمد حسین فقیر) تفسیر بیان کرتے تھے۔ پھر مولانا محمد یوسف فقیر نے چالیس سال تک تفسیر قرآن بیان کی۔ مولانا فقیر کی مجلس تفسیر دلی کی بڑی مجلسوں میں سے تھی، مرحوم بڑے ٹھوس عالم اور مفتی تھے۔ اصلاح پسندی میں بڑے سخت مزاج واقع ہوئے تھے۔

مسجد حوض والی ترکمان گیٹ اس مسجد میں مفتی ضیاء الحق دہلوی تفسیر بیان کرتے تھے، مفتی صاحب بڑے فاضل آدمی تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ان کی فراغت اس ناچیز سے ایک سال بعد ہوئی، کراچی منتقل ہو گئے، وہاں لڑکیوں کا ایک دینی مدرسہ چلا رہے ہیں۔ آج کل اس مسجد میں مدرسہ حسین بخش کے ایک استاد مولانا اعجاز ترجمہ بیان کرتے ہیں۔

مسجد کوچہ پنڈت اس مسجد میں مفتی مظہر اللہ کے بڑے لڑکے مولانا مظفر احمد درس دیتے تھے۔

بڑی مسجد پہاڑ گنج بڑی مسجد قاضی والی میں مولانا قاضی زین العابدین تفسیر

بیان کرتے تھے، مرحوم مولانا کرامت اللہ کے ہم مشرب تھے، مرحوم بہار گنج کی تباہی میں کراچی چلے گئے۔ آج کل دلی میں تین اہم مجلسیں ہوتی ہیں، ایک قاری محمد میاں کی مجلسِ تفسیر اور دوسری مولانا عبدالستار سلام کی مجلس تفسیر، جو مسجد بلبلی خانہ میں ہوتی ہے اور یہ ناچیز مسجد کٹرہ دھو بیان فراش خانہ میں ہر اتوار کے دن تفسیر بیان کرتا ہے۔

مسجد حوض والی کوچہ رائے مان

قاری محمد میاں صاحب اس مسجد میں تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قاری صاحب دلی کی شاہی عید گاہ کے امام بھی ہیں۔ مدرسہ عالیہ فتحپوری میں حدیث و تفسیر کے استاد ہیں۔

قاری صاحب کو مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خصوصی خدمت کا شرف حاصل ہے۔

مدرسہ حسین بخش کی مجلس جمعہ

الحمدللہ میں ساٹھ برس سے مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں جمعہ کے دن اصلاحی تقریریں کرتا ہوں اور ان تقریروں میں خاص طور پر قرآن کریم کے بصائر اور لطائف کو سامنے رکھتا ہوں۔ پہلے یہ مجلس نماز جمعہ کے بعد ہوتی تھی جو مدرسہ کی قدیم روایت ہے مگر میں نے جمعہ کی نماز کے بعد والی رسم کو چھوڑ دیا اور نماز جمعہ سے پہلے تقریر کا پروگرام رکھا نماز کے بعد کاروباری مشغولیت کی وجہ سے لوگوں کی شرکت بہت کم ہوتی تھی۔ دلی میں جمعہ کی مجالس وعظ کا رواج عام تھا، خاص طور پر مدرسہ حسین بخش اور مدرسہ حسینیہ (کٹرہ گوکل شاہ) کی مجلسیں، جنمیں ایک طرف مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب اور دوسری طرف مولانا کرامت اللہ خاں صاحب کے وعظ الگ الگ رنگ کے ہوتے تھے۔

مولانا ابراہیم صاحب کے وعظ کا رنگ انکے والد مولانا محمد حسین فقیر کا تھا جو مولانا گنگوہیؒ کے کو توال مشہور تھے اور مولانا کرامت اللہ صاحب کے وعظ میں تصوف کا رنگ تھا، کیونکہ مرحوم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے۔

دلّی کے نامور علماء

جو دلّی سے باہر آرام فرما ہیں۔

دلّی کے علماء و مشائخ کی تاریخ میں عام طور پر انہی حضرات کا تذکرہ ملتا ہے جو دہلی کی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔ حالانکہ دلّی کی خاک پاک سے اٹھنے والی بعض اہم شخصیتیں دلی سے باہر آرام فرما ہیں کیونکہ ان کی علمی اور روحانی خدمات کا تعلق ملک کے دوسرے حصّوں سے رہا ہے مصنف فقہاء ہند (لاہور) نے ان ہستیوں سے ہمیں متعارف کرایا ہے۔

ذیل میں ان کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔

شیخ جلال الدین جمالی دہلوی شیخ جلال الدین ابن فضل اللہ دہلوی عہد ہمایوں کے عظیم المرتبہ عالم فقیہ ہیں۔ ہمایوں کی درخواست پر بھی عہدہ قضاء قبول نہیں کیا، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۹۲۴ھ میں وفات پائی۔ مدفن نامعلوم۔

مفتی جمال الدین دہلوی مفتی جمال الدین فقہ حنفی میں بڑا غلو رکھتے تھے دلی کے مفتی رہے۔ میرٹھ کی مشہور برادری کنبوہ سے تعلق تھا، دلّی ہی میں ان کا خاندان مقیم تھا۔

۹۸۴ھ میں وفات پائی۔ مدفن نامعلوم۔

مولانا دُرویش محمّد دہلوی

ماوراءالہند کے اصلی باشندہ تھے لیکن تمام عمر دلّی میں وعظ و تذکیر کی مسند پر فائز رہے اور دہلوی مشہور ہوئے۔ ۹۵۵ھ میں وفات پائی۔ مدفن نامعلوم۔

مولانا شعیب واعظ دہلوی

لاہور کے اصل باشندہ تھے تمام زندگی دلّی میں وعظ میں گذاری۔ آپ دہلوی مشہور ہوئے سکندر لودھی کے عہد میں دلّی کے مفتی تھے۔ ۹۳۶ھ میں وفات پائی۔ اور مہرولی میں حوض شمسی کے قریب مدفون ہوئے۔

منشی شیخ جمالُ الدّین صدّیقی دہلوی

ان کی پیدائش قصبہ کوتانہ (ہریانہ) کی ہے۔ وہاں سے دلّی منتقل ہوئے یہ دور خاندان ولی اللّٰہی کے علم وفضل کا تھا، منشی جی نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا، پھر دلّی سے اندور اور پھر بھوپال پہنچے اور ملکہ بھوپال سکندر بیگم نے شاہ رفیع الدّین محدّث دہلوی کی سفارش پر انھیں ملازم رکھ لیا۔

پھر قسمت نے یاوری کی اور نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال نے ان کے ساتھ عقد ثانی کر لیا اور ریاست کا مدارالمہام مقرر کر دیا۔

اسی منصب کے تعلق سے منشی کے لقب سے مشہور ہوئے، بھوپال میں علم نوازی اور علماء پروری کا ماحول انہی کے دم سے قائم ہوا، انھوں نے اپنی بیوہ لڑکی زکیہ بیگم کا عقد ثانی مولانا صدیق حسن خان کے ساتھ کر دیا۔

اس طرح دلّی کی ایک نامور علمی شخصیت نے بھوپال کو ایک اسلامی ریاست بنانے میں نہایت مؤثر رول ادا کیا۔ ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا ظہور علی دہلوی ان کے والد فتح علی ریواڑی کے تھے اور دہلی آکر بس گئے تھے۔ مولانا ظہور علی کی پیدائش دلّی کی ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے، اس تعلق سے انھوں نے مولانا شہیدؒ کے افکار کی سخت مخالفت کی اور اس پر "تحقیق الحقیقہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی، یہ ۱۸۳۵ء میں انگریزی حکومت کی ملازمت میں داخل ہوئے تھانیدار تھے۔

اس انگریز ملازمت کے اثر نے بھی انھیں حضرت شہید کے خلاف رکھا، ۱۲۸۶ھ میں پٹودی میں وفات پائی۔

سیّدہ اَمَۃُ الغفور دہلوی شاہ محمد اسحاق محدث ہند کی لائق وفائق صاحبزادی ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی داماد شاہ عبدالعزیزؒ کے صاحبزادے مفتی عبدالقیوم متوفی ۱۲۹۹ھ کے عقد میں آئیں۔

شوہر اور بیوی دونوں نے بھوپال میں علم حدیث وفقہ کی خدمت میں ساری زندگی گذاری اور وہیں آسودۂ راحت ہوئے۔

سیّد حیات حسینی سید حیات حسینی دہلوی دلّی کے نامور حنبلی عالم تھے، ۵۷ء کے ہنگامہ میں حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی اور ساری زندگی مدینہ منوّرہ میں علم حدیث کی خدمت کرتے ہوئے گذاری۔

مولانا شیر محمد افغانی دہلوی افغانستان سے دلّی آئے اور خاندان ولی اللّٰہی سے علم حاصل کیا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے خاص شاگرد اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ

کے ہم سبق تھے، ساری زندگی زہد و ورع کے ساتھ دلی میں گذاری اور ۵۷ء کے ہنگامہ سے بد دل ہو کر حجاز کی طرف ہجرت کی مگر راستہ ہی میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ۱۲۷۵ھ ہے۔

مولانا سلام اللہ دہلوی | شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی اولاد میں سے تھے بڑے محدّث فقیہ تھے۔ نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی دعوت پر رامپور تشریف لے گئے اور اس تاریخی ریاست میں علم کی روشنی پھیلائی اور وہیں وفات پائی تاریخ وفات ۱۲۲۳ھ ہے۔

مولانا حکیم نصر اللہ خاں دہلوی | خاندان ولی اللٰہی سے علمی فیض حاصل کیا، حکیم شریف خاں صاحب سے طب پڑھی، دہلی میں درس و تدریس اور خدمت خلق کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ دنوں نواب جھجر فیض محمد خاں کے ہاں ملازمت کی، شاعر بھی تھے وصال تخلّص تھا۔ تاریخ وفات ۱۲۵۱ھ ہے۔

مولانا محبوب علی دہلوی | خاندان ولی اللٰہی کے فیض یافتہ عالم تھے۔ سید احمد صاحب بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی یاغستان گئے مگر وہاں کے حالات سے غیر مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔

آپ کو مولانا محمد اسماعیل شہید کے بعض خیالات سے اختلافات تھا اس موضوع پر آپ کی کئی کتابیں ہیں۔

میوات کے علاقہ میں آپ کی تبلیغی سرگرمیاں زیادہ رہیں۔

⁂ ⁂ ⁂
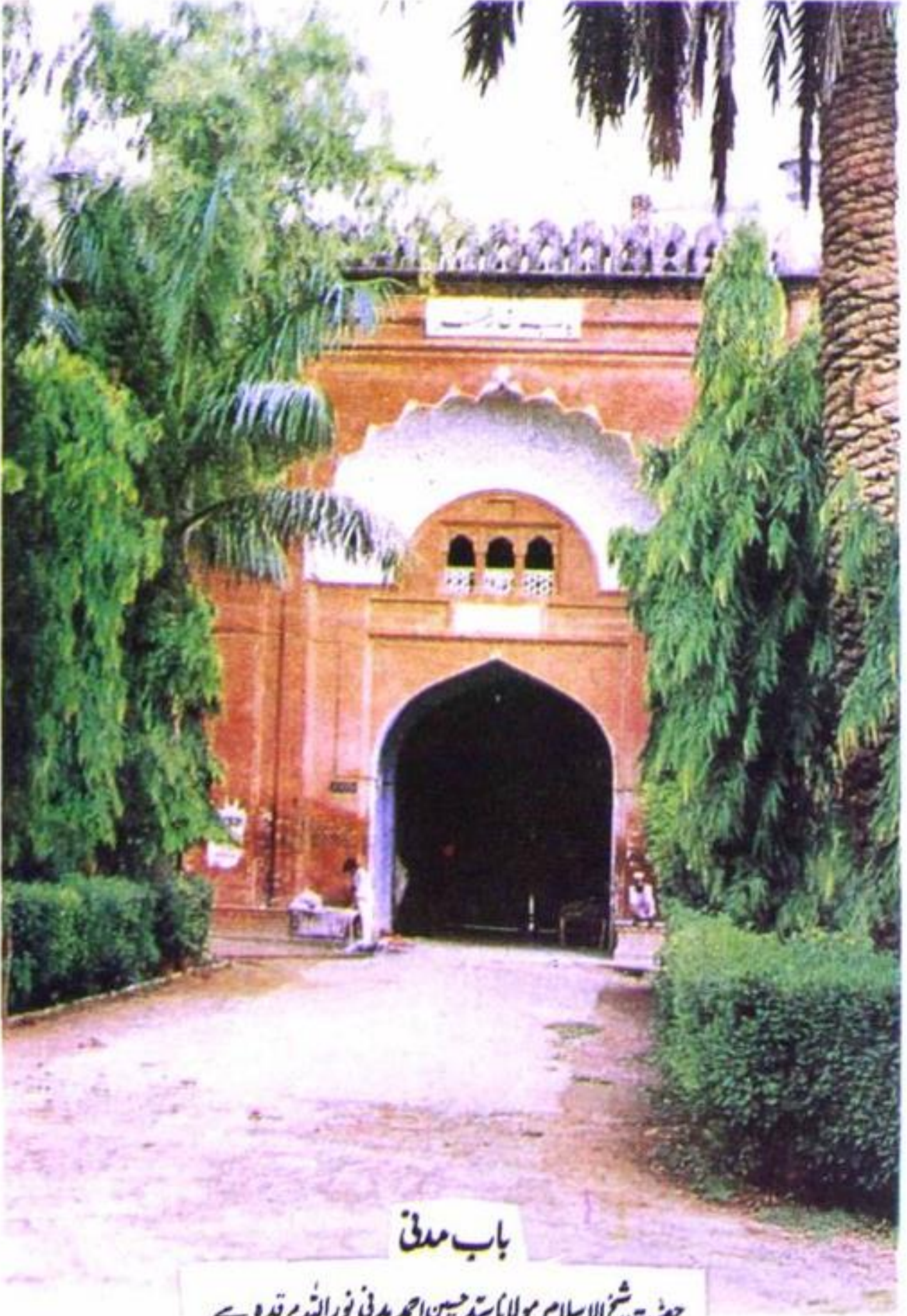
باب مدنی

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے منسوب ہو کر "مدنی گیٹ" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ

اسلام کی اخلاقی حجت

مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے کہ یہ سعادت صرف ہندوستان کے علماء اسلام کے حصہ میں آئی ہے کہ انھوں نے باطل اقتدار کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں قائدانہ طور پر حصہ لیا جبکہ دوسرے ملکوں میں آزادی اور انقلاب کی عوامی لہر سے علیحدگی اختیار کرکے وہاں کی علماء نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جیساکہ سمرقند اور بخارا کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہندوستان کے علماء کرام میں بھی خصوصیت کے ساتھ یہ شرف وافتخار جماعت شیخ الہند (حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) کے لئے مقدر تھا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اسی جماعت کے مجاہد کبیر تھے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث میں عام علماء کے مقابلہ میں دو خصوصیتیں نمایاں ہوتی ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ میں ہمت اور تواضع کی خصوصیات ہیں۔

علم الاخلاق کے لحاظ سے ہمت اور تواضع دو متضاد صفتیں ہیں اور ان دونوں کا کسی ایک شخصیت میں جمع ہونا انسانی کسب وعمل سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ موہبت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔

ہمت اور حوصلہ کی سرحدیں تکبر و نخوت سے ملتی ہیں، حوصلہ مند انسان کے اندر غرور کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر معلوم ہوتا ہے، اسی طرح تواضع و خاکساری کی صفت سے انسان کے اندر عملی سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جس شخصیت میں ہمت ہو مگر تکبر نہ ہو، تواضع ہو مگر سستی اور عملی ضعف نہ ہو تو وہ شخصیت کسی کارِ خاص کے لئے خدا تعالیٰ کی قدرت کا عطیہ ہوتی ہے۔
اسی لحاظ سے مولانا مدنی کو میں نے اسلام کی اخلاقی حجت کہا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رح نے تحریک حریت میں ایک سرگرم اور پُرجوش قائد کی طرح حصہ لیا، مولانا اور مولانا کے رفقاء (جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث اور فقیہ تھے) کا سیاسی نظریہ مسلم اکثریت کے خلاف تھا۔

تقسیم کی سیاسی تحریک مذہب کے سہارے اور قرآن و حدیث کے غلط استعمال کی قوت سے چلائی جا رہی تھی اور اس منافرت انگیز تحریک سے اسلام کی تصویر کو بگاڑا جا رہا تھا یعنی قومی خوشحالی پر اسلام کے وقار کو قربان کیا جا رہا تھا، اسلام کے نام پر اسلام کی عظیم ہستیوں کو مطعون کرنے کا مذموم اور ملعون جذبہ جوش مار رہا تھا، اسلام اور اسلامی اقدار کی روح سے خالی سیاسی قیادت اس پر اظہار فخر و مباہات کر رہی تھی کہ ہم نے مسلمانوں کو علماء کی قیادت سے نجات دلادی، غیر مسلم حلقوں میں اسلام کو نفرت اور خون خرابے کا مذہب ظاہر کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نکلنے والا نہ تھا کہ چند افراد کو اقتدار کی اعلیٰ کرسیاں حاصل ہو جائیں اور سرمایہ دار مسلمانوں کو سرمایہ جمع کرنے اور شاہانہ عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کی کھلی آزادی مل جائے۔

علماء اور مشائخ طریقت نے جس سرزمین پر اسلامی اخلاق و آداب کی قوت سے اسلام پھیلایا اس سرزمین کو اسلام کے حق میں گرم کرنے اور مسلمانوں
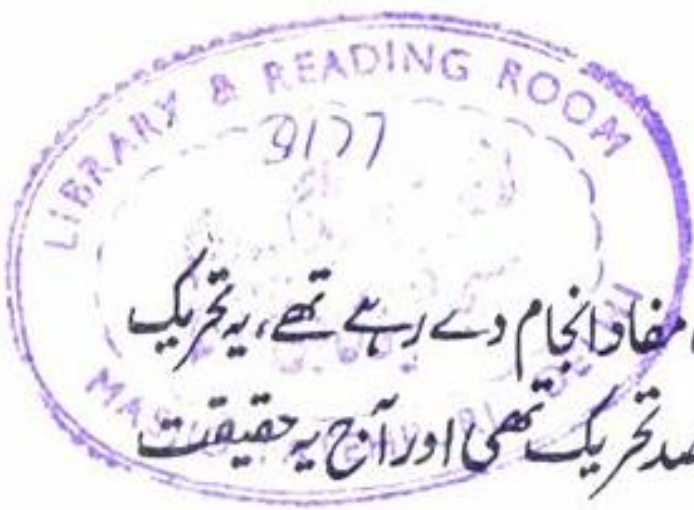
کیلئے نفرت کی بارود بچھانے کا کام یہ مٹھی بھر اصحاب مفاد انجام دے رہے تھے، یہ تحریک ملّت اسلامیہ ہند کے حق میں مجموعی طور پر ایک بے مقصد تحریک تھی اور آج یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس ماحول میں صوفیائے ربّانی اور علماء حق کی دعوتی اور تبلیغی روح کا تحفظ کرنا ان کے جانشین بزرگوں کا فرض تھا، اور اس فرض کو ادا کرنے میں جماعت شیخ الہند کے جس فرد جلیل نے نمایاں طور پر حصہ لیا وہ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ تھے۔

مولانا مدنیؒ نے تقسیم ملک (جو دراصل تقسیم ملّت) کی تحریک تھی اسکا نہایت پر جوش طریقہ پر مقابلہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ قدرت کو یہی منظور تھا، لیکن قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا اصول یہ ہے۔

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی۔ قدرت اس راہ کے حوالے کردیتی ہے

(النساء آیت ۱۱۵) جس راہ پر انسان دوڑتا چلا جاتا ہے۔

تقسیم پسندوں کو ان کا مقصود مل گیا، ملّتِ اسلامیہ تین حصوں میں بٹ کر اب مزید ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کیلئے پر تول رہی ہے۔

اقلیتی خطوں کے جن مسلمانوں نے اس تحریک کے لئے خون بہایا وہ آج پچاس سال کے بعد سر پکڑ کر رو رہے ہیں۔

جن مسلمانوں نے اپنا آبائی وطن نہ چھوڑا۔ تقسیم کی بچھائی ہوئی بارود میں جھلستے رہے، انھیں دھوبی کا کتا، گھر کا نہ گھاٹ کا، قرار دیا گیا ـــــ لیکن آج مہاجر قومیت۔ پانچویں قومیت ـــــ کے نعرہ نے ثابت کردیا کہ دھوبی کا کتا کون ہے؟

وہ بڑے بڑے اہل قلم جنھوں نے تقسیم کے وقتی نشہ سے مسحور ہوکر مولانا مدنی اور ان کے رفقاء کو بدنام کیا آج وہ اپنے توبہ نامے شائع کررہے ہیں۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی جو تحریک پاکستان کے ذہنی اور نظریاتی قائد تھے

ان کا توبہ نامہ چھپ چکا ہے۔

مسلم حکومت کے عہد میں مشائخ طریقت نے اخلاقی تربیت کے کام کو سنبھالا۔ مسلم حکومت ہر دور میں خاندانی حکومت رہی۔ اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اسلامی حکومت کا مشن دولت وحشمت کا حصول نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کی توسیع واشاعت ہوتا ہے، اسلامی حکمراں ہر ہر قدم پر اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بندگانِ خدا کے اندر اسلام کی محبت پیدا ہو، خاندانی حکمراں سیاسی اقتدار پر قبضہ قائم رکھنے کیلئے نہ اسلام کی توسیع پر دھیان دیتے ہیں اور نہ اسکو اہمیت دیتے ہیں۔

مسلم حکومت کے ان مخالفِ اسلام اثرات کو دور کرنے کے لئے مشائخ ربّانی نے دربار سے دور رہ کر عام انسانوں کی خدمت کو اپنا مشن بنائے رکھا اور دربار سے دور رہنے کی بنا پر مسلم بادشاہوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔

غور سے دیکھا جائے تو مولانا مولانا حسین احمد مدنی اسی مشن کے علمبردار تھے مولانا مدنیؒ نے سیاست کے خارزار میں کود کر اسلامی اخلاق وآداب کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بقول حضرت شیخ الہند کا اپنے ایک مہمان ہندو بنیئے کے پیر دبانا اور شیخ الہندؒ کے جانشین مولانا مدنیؒ کا کنور محمد اشرف بیرسٹر (کمیونسٹ لیڈر) کے پیر دبا کر انہیں اٹھانا معمولی واقعات نہیں۔ بلکہ ایک خاص مشن کی نشاندہی ہے۔

آزادی کی تحریک اس اسلام دشمن قوم (انگریز) کے خلاف تھی جسکے ہاتھوں اس وقت مسلم دنیا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور جس قوم کی تہذیب (مغربی تہذیب) اسلام کی بیخ کنی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

مولانا مدنیؒ کے دل میں اس اسلام دشمن مغربی طاقت کیخلاف شدید ترین غصّہ ونفرت موجزن تھی اور اسی غصہ وجلال کا اظہار وہ آزادی ہند کے پلیٹ فارم سے کرتے تھے۔

اور اس کی سزا انگریز نواز حلقوں کی طرف سے توہین و تحقیر اور الزام تراشیوں کی صورت میں مولانا کو دی جاتی تھی — انگریزی حکومت بھی مولانا کو اپنے بدترین دشمن کے طور پر قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کرتی تھی۔

یہ دو گونہ امتحان تھا جس میں وہ مردِ غیور گرفتار تھا۔

مخالف مسلمانوں کے ہاتھ سے پہنچنے والی تکلیفوں کو وہ شریف و سیّد مومن خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا تھا اور مسلمانوں کو معذور سمجھکر ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتا تھا جو اس کے نبی کا اسوۂ حسنہ ہے۔

صبر و تحمل کا یہی اسوہ اسلام کی وہ اخلاقی حجّت ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام اور صوفیائے حق کا مشن رہا ہے۔

شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال نے جس سیاسی اصطلاح پر مولانا مدنی رحؒ کیخلاف شعر کہے آج اسی شاعرِ اسلام کے صاحبزادے جاوید اقبال صاحب اپنے والد کے حوالوں سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ علامہ اقبال اس جمہوری حکومت کے قائل تھے جس میں اسلامی اقدار (دیانت اور مساوات) کا دور دورہ ہو — وہ ایسی مذہبی اسٹیٹ کے حامی نہیں تھے جسکا مطالبہ پاکستان کے علماء مذہب کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔

تحریک آزادی کے دور میں ایک مذہبی جماعت نے اسلامی خلافت کا نعرہ لگایا اور اس تحریک میں وہ نظری شدت اور انتہا پسندی اختیار کی گئی کہ تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کو طاغوت پرست کہا گیا اور خلافت الٰہیہ سے نیچے ہر بات کو اسلام کا مخالف نظریہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

وطن اور قوم کے الفاظ کو غیر اسلامی تصور کے دائرہ میں شامل کیا گیا، اور اس طرح بالواسطہ طور پر انگریز کی ظالم حکومت کو سہارا لگایا گیا۔

ایک مسلم خطہ وجود میں آگیا — لیکن وہ خطہ مسلم حکومت سے آگے نہ بڑھ سکا،

یہاں تک کہ عاجز آکر تحریک اسلامی کے قائدین نے اس نظام سے سمجھوتہ کرلیا جو انکے اصول یعنی خالص اسلامی اصول پر طاغوتی نظام تھا۔

پھر اس شکست و ہزیمت کے لئے فقہ کی وہی اصطلاح (اَہْوَنُ البلیتین) استعمال کی گئی، جس اصطلاح پر فرار اور بزدلی کی پھبتی کسی گئی تھی۔

اس وقت وہ لوگ اصحاب عزیمت مجاہد تھے جو تحریک آزادی کے مصائب (قید و بند) سے محفوظ گوشۂ عافیت میں نظری بحثیں چھیڑ رہے تھے — اور وہ لوگ طاغوت پرست تھے جو اسلام دشمن طاقت کے نشانہ پر تھے اور جیل کی تاریک کوٹھریوں میں تکلیفیں اٹھا رہے تھے۔

لیکن ایک دو صدی کے بعد نہیں نصف صدی کے اندر ہی اندر یہ حقیقت کھل گئی کہ وہ خود فریبی تھی یا اغیار کی سازش جس میں جذباتی نعرہ بازی اور اسلام خالص کی آوازیں لگا کر تحریک آزادی کے مجاہدوں کو مطعون کرنا اور عام مسلمانوں میں انکی مذہبی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنا تھا۔

تقسیم پسند طبقہ جس ملت کو مردہ لاش سمجھکر ہندوستان میں چھوڑ گیا تھا اس ملّت کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا جس جماعت کے سر ہے، مولانا مدنیؒ اس جماعت کے امیر و امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے حکومت کے ایوان میں بیٹھکر یہ آواز بلند کی کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کے باعزّت اور برابر کے شہری ہیں اور ان کی ملّی پہچان پندرہ سو برس کی زریں روایات کا ثمرہ ہے جسے آزاد ہندوستان میں ٹیڑھی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا — اور مولانا مدنیؒ نے پیرانہ سالی کے باوجود آزاد ہندوستان کے کونہ کونہ میں پھر کر مسلمانانِ ہند کے اندر ملی غیرت و حمیت پیدا کی، اور مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں، مولانا احمد سعید اور مفتی عتیق الرحمٰن

اور دینی مدارس اور دینی خانقاہوں کے سینکڑوں علماء و مشائخ کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کر کے انھیں قیام امن و حفاظت کے میدان میں سرگرم جہاد رکھا۔

دینی تعلیم کے ادارے قائم کرائے اور ان کی سرپرستی فرمائی اور اپنے شاگردوں کو ان مدارس میں جم کر بیٹھنے کی تلقین کی۔

ہندوستان کی تحریک آزادی کے نتیجہ میں انگریزی اقتدار سے نہ صرف ہند کو آزادی نصیب ہوئی بلکہ ملت اسلامیہ کے مظلوم حصّے بھی برطانوی چنگل سے نکل گئے۔

ہندوستان اگر متحد رہ کر آزاد ہوتا تو ملت اسلامیہ ہند آزاد ہندوستان میں ایک متحد اور مضبوط تاریخی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آتی — مگر اغیار نے سازش کر کے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ایسی کش مکش میں مبتلا کر دیا ہے جس سے نکلنے کے ابھی تک آثار نظر نہیں آرہے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی صدارت (دارالعلوم دیوبند) کا دور بڑا بابرکت تھا، مولانا مدنیؒ کی تعلیم و تربیت نے (۳۸۴۴) علماء و فضلاء کی عظیم کھیپ دنیا کو عطا کی اور مولانا مدنی کا یہ عطیہ تمام مشائخ دارالعلوم سے زیادہ تھا — جو آج ہندو پاک کے دینی نظام کو چلانے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔

ہمیں، مولانا اسعد مدنی صاحب سے بحیثیت جانشین شیخ الاسلام کے بجا طور پر یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ حضرت شیخ کے حقیقی مشن (اسلامی تعلیم و دعوت) پر پوری توجہ دیں گے اور دوسری مصروفیات پر اس جدّ و جہد کو مقدم رکھیں گے۔ (شائع شدہ شیخ الاسلام نمبر)

مولانا مدنیؒ کے گھٹنوں کا درد

مولانا مدنیؒ پر آخر وقت میں گھٹنوں کے اعصابی مرض کا غلبہ ہو گیا تھا، ظاہر بیں لوگ

اسے سحر کا اثر سمجھتے رہے، حالانکہ یہ مرض چشتی بزرگوں کیساتھ قوی نسبت کا اثر تھا۔

مولانا نور محمد مہارویؒ خلیفہ ارشد شاہ فخر الدین اورنگ آبادی نے لکھا ہے کہ آخر عمر میں اعصابی درد اور گھٹنوں کی تکلیف چشتی بزرگوں کا ورثہ ہے۔

موروثی پیران ماست۔

حضرت محبوب الٰہی کے گھٹنہ میں درد رہتا تھا، شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کو آخر عمر میں اسی تکلیف نے پریشان رکھا، شاہ مہاروی خود اس مرض میں مبتلا رہے۔ انکے سلسلے کے بزرگ خواجہ سلیمان تونسوی، شیخ یحییٰ مدنی، شیخ نجم الدین بھی اسی مرض کا شکار رہے۔ (مشائخ چشت ص۴۲)

جسمانی امراض طبعی قانون کے تحت لاحق ہوتے ہیں، خدا کی مشیت ہوتی ہے تو علاج سے شفا ہو جاتی ہے ورنہ لا علاج رہتے ہیں۔ لاعلاج امراض کو سحر اور جادو ٹونا قرار دینا توہم پرستی ہے۔ اور اہل اللہ کے بارے میں تو یہ تصور ان حضرات کی شان میں توہین کے مترادف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید ابن اعصم کے جادو کے واقعہ کو دلیل بنایا جاتا ہے حالانکہ اس معمولی واقعہ کو ایک افسوسناک کہانی بنانا اسرائیلی راویوں کا کرشمہ ہے۔

بعض بڑے لوگوں نے اس جھوٹی کہانی کو نقل کر کے بعد والوں کو ایک فتنہ میں ڈال دیا ہے۔

مولانا عبدالجبّار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی کے گھٹنوں کے درد نے آخر وقت میں انھیں مغلوب کر دیا تھا۔ مدرسہ کے ایک ذمہ دار استاد نے مجھے بتایا کہ مولانا ہر قسم کے علاج سے مایوس ہو کر مراد آباد کے ایک مشرک چمار سے سفلی عمل کرانے پر مجبور ہو گئے مگر پھر بھی وہ مرض دور نہیں ہوا۔

⁂ ⁂ ⁂

جماعت شیخ الہند کا نورِ نظر

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب

وہ پیکرِ حلم و حیا جس کی مظلومیت کئی سال سے موضوع بحث بنی ہوئی تھی اور جس کی بے چارگی پر عالم اسلام کا ہر دردمند انسان آنسو بہا رہا تھا بالآخر زمانہ کی دست درازیوں کی تاب نہ لاکر اپنے دادا ابّا کے پہلو میں آسودۂ راحت ہو گیا۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالبِ آشفتہ بیاں، کہتے ہیں

یہ قاسم العلوم رح کے پہلو میں کون سکون سے لیٹا ہوا ہے؟ یہ ولی اللٰہی علوم کا وارث ہے، یہ فکرِ قاسمی کا ترجمان ہے، یہ محدث کشمیری رح کی آخری یادگار ہے۔ یہ شیخ تھانوی رح کے میکدہ کا آخری ساقی ہے، یہ شیخ الاسلام مدنی رح کا نورِ نظر ہے۔ یہ جماعت شیخ الہند رح کی آبرو ہے۔

اب ہم اسے تلاش کریں گے کہ ہزاروں کے مجمع میں کھڑا ہو کر اپنی حسین صورت، حسین سیرت اور دل فریب لب و لہجہ میں دین حق کا پیغام دلوں میں اتارے۔ لیکن ہمیں وہ نظر نہ آئے گا۔

ہم چراغ لیکر ڈھونڈیں گے کہ علماء و مشائخ کی آبرو بنکر کوئی سامنے آئے، لیکن ہمیں ناکامی ہو گی۔

جسے دیکھکر چمنستانِ قاسمی کے پودوں پر بہار آجاتی تھی، وہ نہ رہا۔ جس کا نام لیکر فرزندانِ دارالعلوم فخر سے سر اونچا کرتے تھے، اسے ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔

معاصرانہ رقابت کا سب شکار ہوئے لیکن۔ اس جیسا مبتلا اور محسود نہ دیکھا۔ ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق

ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کو عالم اسلام کے کونہ کونہ میں ایشیا، کی ایک عظیم دینی یونیورسٹی کے طور پر متعارف کرایا۔ اور آپکی عظیم علمی اور روحانی شخصیت اکابر اور اساتذہ دارالعلوم کی علمی اور روحانی عظمت کے تعارف کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

دارالعلوم نے آپ کے ساٹھ سالہ دور میں غیر معمولی ترقی کی اور ہر شعبہ میں کامیابی کی انتہائی معراج پر پہونچا۔

اجلاس صد سالہ کی بے مثال کامیابی کا سہرا آپ ہی کی کامیاب قیادت کے سر ہے۔ اس اجلاس نے دشمنانِ حق کے دلوں پر لازوال صداقتِ اسلامی کی دھاک بٹھادی۔

اجلاس کی کامیابی کے بعد یہ عظیم دینی اور ملّی ادارہ جن آزمائشوں میں گرفتار ہوا اگر وہ نہ ہوتا تو دارالعلوم ایک نئے دورِ ترقی میں داخل ہو جاتا اور مسلمانانِ عالم کی دینی اور سماجی ضرورتوں اور مشکلات میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی کا فرض ادا کرتا۔ جس طرح دارالعلوم نے ماضی کے ہر انقلاب کا چیلنج قبول کر کے مسلمانوں کی دینی اور ملّی رہنمائی کا فرض انجام دیا ہے۔ نئے تعمیری مقاصد کے لئے اور وہ بھی ملّی امتحان کے نازک دور میں دارالعلوم جیسے دینی ادارہ کو مضبوط اور مستحکم قیادت کی ضرورت تھی، اور

اس کے لئے ابھی انتظار کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اور روحانی سرگرمیوں اور دار العلوم جیسے بین الاقوامی ادارہ کے کامیاب اہتمام کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جد و جہد میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

آپ نے جماعت شیخ الہند کے شانہ بشانہ ۴۷ء کے ہمت شکن حالات کے اندر ملی تعمیر کے کاموں میں قائدانہ شرکت کی۔

عوامی تقریروں اور خطبات کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر اجتماعی حوصلہ پیدا کیا، مولانا ابو الکلام آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی محمد کفایت اللہؒ، مولانا احمد سعیدؒ اور مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے رفیق کار کی حیثیت سے احیائے ملت کی تحریک میں معاون و مددگار رہے۔

دینی تعلیمی تحریک کے سلسلے میں آپ کے فاضلانہ خطبات ہمیشہ روشنی دیتے رہیں گے۔

ہندوستان کے قومی سیاسی حلقوں نے سیکولر ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے معاملہ میں آپ کی رہنمائی سے زبردست فائدہ اٹھایا، اس سلسلہ میں مذہبی پیرایہ کے اندر فرقہ پرستی کے خلاف حضرت حکیم الاسلامؒ نے اہم کتابیں چھوڑی ہیں جو ہندوستان جیسے ملک میں دینی تعلیم و دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے مشعلِ ہدایت ہیں۔

ہندوستان میں بعض نام نہاد ترقی پسند مسلمان مسلم پرسنل لا کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو ختم کرنیکی غرض سے یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرنے والوں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں۔

اس سلسلے میں حکیم الاسلام رحؒ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر کی حیثیت سے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک میں قائدانہ رول ادا کیا اور اپنی دانشمندانہ رہنمائی سے تحریک کو تقویت پہنچائی۔

دارالعلوم کے کاز کی اشاعت و تبلیغ کی ذمہ داریوں نے حکیم الاسلامؒ کو بڑی کتابوں کی تصنیف و تالیف سے باز رکھا لیکن آپ کے حکیمانہ قلم سے جو کتابیں وجود میں آگئیں ان میں سے ہر کتاب اپنے عنوان اور افادیت کے لحاظ سے بڑی اور ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ علاوہ اس کے آپ نے مختلف علوم و فنون کی کتابوں پر جو مبسوط مقدمات تحریر فرمائے ان میں سے ہر مقدمہ اور ہر تبصرہ اس فن کا نہایت جامع اور محققانہ تعارف ہے۔ مولانا احمد سعیدؒ صاحب کے ترجمہ کشف الرحمٰن پر حضرت کا مقدمہ تحریر ہے جو کتاب الٰہی کی مختلف خصوصیات پر ایک جامع تبصرہ ہے اور کتاب و سنّت کے باہمی تعلق پر نہایت مکمّل اور محققانہ مقالہ ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحؒ کی تقریر بخاری (فضل الباری) پر حدیث نبوی کے تعارف اور حجت شرعی ہونے کی تحقیق بڑے سائز کے (۲۱) صفحات پر مشتمل ہے اور اس عنوان پر ایک مکمّل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات پر مفصل تبصرہ و تعارف کی ضرورت ہے جس کے لئے علیحدہ مضمون درکار ہے۔

حکیمُ الاسلام رحؒ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔ کا صحیح مصداق تھے وہ گلستانِ محمدیؐ کا شگفتہ پھول تھے اور ہر طرف نبوّتِ محمدیؐ کا رنگ و نور بکھیرتے پھرتے تھے۔ یعنی بقول اکبرؔ۔ ؎

محمدؐ پھول ہیں اور واعظ صبا ہیں
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمدؐ

وہ مسند درس پر بیٹھے تو دنیائے تعلیم وتدریس پر اپنا سکہ بٹھا دیا، انھوں نے قلم ہاتھ میں لیا تو اسلام کی حکمتوں اور دین کی بصیرتوں کے موتی بکھیر دئے اور خواص وعوام دونوں کو دین برحق کا شیدائی بنا دیا، ان پر ولی اللہی توسع اور قاسمی محبت وجمال کا رنگ غالب تھا مگر امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے اصلاحی درد سے بھی آپ کا دل خالی نہیں تھا۔

بدعت وضلالت کے جو آہنی قلعے توپ کے گولوں سے نہیں ٹوٹتے تھے وہ آپ کی شہد سے زیادہ شیریں باتوں سے سرنگوں ہو جاتے تھے۔ اور ان سب باتوں کا سب کو اعتراف تھا اور ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لیکن ؎

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجئے
ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیئے

زندگی کی سخت آزمائش وہ ہے جو اپنوں کے ہاتھوں پیش آئے اور زندگی کی اس منزل میں پیش آئے جس منزل میں آدمی دو چار گھڑی کا آرام چاہتا ہے۔ اس آزمائش میں ثابت قدم رہنا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا آخری اور مکمل ثبوت ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کی ساٹھ سالہ خدمات کے بعد جس امتحان میں ڈالے گئے اور پھر اس امتحان میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے جس حلم وکرم کا مظاہرہ کیا وہ صرف ایک عالم کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ ایک عارف کامل ہی اس دشوار گذار منزل پر ثابت قدم رہ سکتا تھا۔

مولانا محمد طیب صاحب نے اضطراب وبے قراری کی یہ ساری گھڑیاں ایک عارف باللہ کی طرح گذاریں۔

اس ساری کش مکش میں نیک نیت لوگ بھی تھے اور حاسد ومعاند بھی۔ لیکن

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کے خلاف زبان نہ کھولی ۔ البتہ قانونِ قدرت کی پکڑ بہت سخت ہے ۔ وقت فیصلہ کرے گا کہ اس صف میں ذاتی بدخواہ کون کون تھے اور نیک نیّت کون کون ؟ ؎

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز

آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

زندگی کی سخت ترین آزمائش میں حکیم الاسلامؒ نے جو اسوۂ حسنہ چھوڑا وہ سلف صالحین کی یاد تازہ کرتا ہے ۔ تاریخ کو انتظار رہے گا کہ جن گوشوں سے عقل و شعور کے متاثر ہونے کی آواز سنائی دی وہ زندگی کی اتنی ہی سخت آزمائش میں گرفتار ہو کر عقل و شعور میں مردِ آہن ہونے کا ثبوت پیش کریں ۔

یہ عقل و شعور اور بڑھاپے اور کمزوری کا طعنہ دینے والے جس تلوّن و تنزّل کا مظاہرہ کر چکے ہیں ملّی تاریخ ہمیشہ اس پر ہنستی رہے گی ، ان کے تدیّن کا مذاق اڑاتی رہے گی ۔ ان کے اندر دارالعلوم کے لئے خیر خواہی کا جذبہ کتنا ہے ؟ اس کی آزمائش کے بغیر ان کی زندگی کا ادھورا باب ختم نہیں ہو سکتا ۔ ؎

ہمارا امتحاں کرتے ہو لیکن

تمہارا بھی اسی میں امتحاں ہے

اوپر عرض کیا گیا کہ حضرت قاری صاحب نے زندگی کی اس آزمائش کا ایک عالم کی طرح نہیں بلکہ ایک عارف کامل کی طرح سامنا کیا وہ اس باب میں صبر و حلم کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو ہم سب کیلئے ایک چیلنج ہے ۔

وہ اس شیخ کبیر کی مانند تھے جس کے لاڈلے بیٹے کو اس کے اپنے بیٹے کنویں میں ڈال آئے تھے ۔ پھر وہ کس کے خلاف زبان کھولتا ۔ صبر جمیل ۔ صبر جمیل ۔ کے نعرے لگا کر اپنے آپکو تسلی دیتا رہا ۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی کی سخت آزمائش میں ایک مخالف صاجبزادے سے بس اتنا ہی کہا ــــ بھتیجے! تمہارا باپ تو اس ڈاڑھی کی بڑی عزت کرتا تھا ــ بڑے باپ کے بیٹے نے اتنا سنکر حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی چھوڑ دی اور پیچھے ہٹ گیا ــــ لیکن دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی آپ نے اجازت اس لئے نہ دی کہ دوستوں کی کرم فرمائیاں بھی سامنے تھیں ۔ ؎

تیری محفل سے اٹھاتا، غیر مجھکو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تونے بھی اشارہ کر دیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی جمع و ترتیب سے فارغ ہو کر اسی۸۰ برس کی عمر میں اپنے وطن بخارا آئے تا کہ حدیث رسولؐ کی خدمت اور حفاظت کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بڑھاپا اپنے بال بچوں میں گزاریں، لیکن ابھی آزمائش کی آخری منزل باقی تھی۔ بخارا میں آپ کے حلقہ درس کی کامیابی حاکم بخارا کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی، امام کو حکم بھیجا کہ میرے لڑکوں کو گھر پر آکر حدیث پڑھایئے، امام نے انکار کر دیا۔ حاکم وقت کا غرور جوش میں آگیا، علماء بخارا کو بلاکر امام بخاریؒ کو بخارا سے نکالنے کی تدبیریں سوچی گئیں۔ علماء شہر نے یہ تدبیر نکالی کہ امام کو بدعقیدہ ثابت کیا جائے اور اس طرح عوام میں امام کے خلاف غم و غصہ پیدا کیا جائے۔

چنانچہ چالاک علماء نے خلق قرآن کے پرانے مسئلہ میں امام الحدیث کو الجھا دیا، درس حدیث کے دوران قرآن کریم کے حادث اور قدیم ہونے کی بحث زندہ کر دی گئی۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں حضرت امام احمد ابن حنبل کے مسلک پر تھے، کلام لفظی اور کلام حقیقی کے فرق کو عوام کیا سمجھیں، امام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع ہو گیا ــ اسمٰعیل بخاری بدعقیدہ ہو گئے حاکم شہر نے فائدہ اٹھایا، امام کو شہر بخارا سے

نکل جانے کا حکم دے دیا، امام مستجاب الدعوات تھے، مزاج میں جلال تھا۔ خالص علمی اور تحقیقی مزاج جلالی ہوتا ہے، تہجّد میں حاکم کے لئے بد دعا کر دی :۔ خداوندا! اسماعیل پر تیری زمین تنگ ہوگئی ہے، اب اسے اپنے پاس بلالے اور جس نے اس بوڑھے کو بے وطن کیا ہے اسے بھی وطن میں رہنا نصیب نہ ہو۔ دعا قبول ہوئی، ادھر امام اس دنیائے دنی کو چھوڑ کر خدا کو پیارے ہوئے ادھر حاکم وقت پر خلیفہ کا عتاب نازل ہوا، اور اسے اپنے بال بچوں سمیت بخارا سے ذلّت و رسوائی کے ساتھ نکلوا دیا گیا۔

امام بخاریؒ وطن سے بے وطن ہو کر سمرقند جاتے ہوئے اپنے رشتہ داروں کے پاس خرتنگ میں مقیم تھے وہیں وصال ہوا۔ تاریخ میں اس بدنصیب حاکم بخارا کا نام خالد ابن احمد ذہلی ہے ـــــــ لیکن جمالِ قاسمی کا پیکرِ حسین جلال سے بالکل خالی تھا، مولانا قاسم نانوتویؒ کا جمال اور شانِ عبدیت ان کے تمام معاصرین میں ان کو ممتاز درجہ دیتی ہے، اور یہ رنگ عشقِ نبویؐ سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت نانوتویؒ پر عشقِ نبویؐ کا غلبہ تھا ان کے علم نے ان کے عشق سے شکست کھالی تھی۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی فرماتے تھے :۔ مولانا قاسم! اتنی تواضع اختیار نہ کرو، علم کی شان بھی برقرار رکھو۔۔ لیکن مولانا قاسم عشقِ نبویؐ میں فنائیت کا مقام رکھتے تھے یہی رنگ ان کے پوتے میں نظر آیا۔

امام بخاریؒ کو غصہ آگیا ــ لیکن حکیم الاسلامؒ کو کبھی غصہ اور غضب کی حالت میں نہیں دیکھا گیا، ابلیس لعین نے یاروں کو ٹٹکاری دے کر بدتمیزی کے بڑے بڑے طوفان برپا کئے۔ لیکن واہ رے جانشین قاسمؒ و انورؒ، اشرفؒ و حسین احمدؒ تیرے دل میں کسی قسم کا نہ خوف پیدا ہوا نہ غبار و کدورت نے راہ پائی۔ تو نے شیطان لعین

کو ہر بازی میں پیدل سے مات دیدی۔ اس مادی دنیا میں عروج وزوال، آرام وتکلیف کا آنا معمولی بات ہے اور موت وزندگی کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لیکن اخلاقی کردار پر کبھی زوال نہیں، یہ وہ جوہر ہے جس کی تابانی ہر آن بڑھتی رہتی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

قاسمؒ ومحمودؒ اور انورؒ وحسین احمدؒ کا وہ لاڈلا جنتی تھا اور اس کے اخلاق حمیدہ اور کریم النفسی اس کے جنتی ہونے کا واضح ثبوت تھا۔

قرآن کریم نے کہا وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ الخ ہم اہلِ جنت کے سینوں سے حرص وہوس اور باہمی رنجش وکدورت کے جذبات کو نکال دیں گے تاکہ یہ لوگ جنّت میں مکمل آرام وسکون کی زندگی گذاریں۔

حکیم الاسلامؒ کے اخلاق شریفانہ کا ان کے دشمن کو بھی اعتراف ہے ان کا سینہ دنیا میں بھی بے کینہ رہا اور وہ اسی سینۂ روشن کے ساتھ اپنے مولا سے جاملے — وہ دنیا میں رہ کر جنتی تھے تو پھر کیوں نہ امید قوی کی جائے کہ جنت میں بھی ان کا شاندار استقبال ہوا ہوگا۔ ؎

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گذر میں خاک نہیں

موت سے کس کو چھٹکارا ملتا ہے — محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا :- "اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ"

لیکن افسوس اور قلق اس کا ہے کہ ملّتِ اسلامیہ ہند خاص طور پر

قحط الرجال کا شکار ہے، اور علماء کے نام پر "شرالعلماء" کا دور دورہ ہے، علم دین کو بدنام کرنے والے نمودار ہورہے ہیں، دنیا کے لئے دین کو قربان کرنے والوں کا زور شور ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ اگر مسیحی علماء کو دیکھنا ہو اس امت کے زر پرست علماء کو دیکھو اور اگر یہودی علماء کی زیارت کرنی ہو تو علماء و مشائخ کی اس اولاد کو دیکھو جو اپنے باپ دادا کی جھوٹی تعریفیں کرکے ان کے نام کی روٹیاں کھاتی ہیں۔

فکر اس کا ہے، ورنہ موت کے برحق ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔

حجاج ابن یوسف نے بڑے بڑے لوگوں کو تہ تیغ کر دیا ان میں صحابہ کرامؓ بھی تھے اور تابعین عظام بھی ـــ وہ اس بات کو برداشت نہیں کرتا تھا کہ آل نبی کو نبی کی ذریت کہا جائے۔ ان مظلومین میں حضرت سعید ابن جبیر بھی تھے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ایک روز حجاج کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا گذری؟

بولا ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے قتل کیا گیا اور پھر زندہ کیا گیا ـــ لیکن سعید ابن جبیر کے بدلہ میں ستّر دفعہ قتل کیا گیا۔

علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ایک صحابی کے بدلے میں تو حجاج ایک ہی دفعہ قتل کی سزا پائے مگر ایک تابعی کے بدلے میں ستّر دفعہ سزا کا مستحق ہو؟

پھر علامہ نے خود ہی اس کا جواب دیا کہ سعید جس وقت مارے گئے اس وقت کوئی اُن جیسا نہ تھا جو ان کی جگہ پُر کرتا، ان سے پہلے جو حضرات صحابہ و تابعین مارے گئے ان کی جگہ بھرنے والے موجود تھے۔

مولوی اور علماء روزانہ پیدا ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن وہ علماء جو "کانبیاء بنی اسرائیل" کا مقام رکھتے ہیں وہ بہت مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔

میر صاحب نے کہا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ایک روز عالمگیرؒ اپنے استاد ملا جیون کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوا، سواری کے لئے ہاتھی لایا گیا عالمگیر سپاہی آدمی تھا، جست لگا کر ہاتھی کی پیٹھ پر سوار ہو گیا لیکن ملّاجی آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے ہاتھی پر سوار ہوئے، عالمگیر دیکھ رہا تھا، ہنس کر بولا، استاد محترم! آپ کو اپنی جان بڑی پیاری ہے؟ — ملّاجی نے جواب دیا عالمگیر! تیرے بعد تیرا جانشین تیار ہوگا وہ تیری جگہ سنبھال لے گا — میرا جانشین بڑی مشکل سے پیدا ہوگا، زندگی کا بڑا حصہ چراغ کے سامنے اوندھا پڑا رہے گا تب اس قابل ہوگا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے بارے میں یہ چند سطریں سچی عقیدت کے تحت تحریر کی گئی ہیں — کوئی منفی جذبہ کارفرما نہیں۔

میری نظر میں ہندوستان کے تمام علمی اور دینی خاندان قابل احترام ہیں اور میں تمام صاحبزادگان کو ان اکابر کی یادگار سمجھتا ہوں جنھوں نے ہندوستان کے بُت کدہ میں توحید و سنّت کے چراغ جلائے۔

میں ایک محنت کش اور تجارت پیشہ خاندان کا فرد ہوں — علم دین کی خدمت کرتے ہوئے مجھے چالیس سال ہو رہے ہیں لیکن ابھی تک طالب علم سے زیادہ اپنی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا، پھر مجھے کسی محترم دینی ہستی کے متعلق زبان کھولنے یا قلم چلانے کا کیا حق پہنچتا ہے۔

میں نے اپنے شیخ اور استاد حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ کی زبان مبارک سے یہ سُنا ہے کہ :۔" میں خاندانِ قاسمی کا غلام ہوں، ادنیٰ غلام ہوں"۔

جب دارالعلوم کا تاریخی ابتلاء شروع ہوا تو حضرت مدنیؒ کے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونجتے تھے اور میں حالات کی نزاکتوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا تھا۔

اپنے شیخ و استاد کے واسطے سے اس خاندان کا جو احترام مجھے ملا ہے میں اسے کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔

(ماخوذ حکیم الاسلام نمبر ۲۲، ستمبر ۱۹۸۳ء)

دو دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند دو جگہ تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک قدیم دارالعلوم جو مولانا اسعد میاں صاحب کی سرپرستی میں چل رہا ہے اور دوسرا وقف دارالعلوم جو مولانا محمد سالم صاحب ابن مولانا محمد طیب صاحبؒ اور مولانا سیّد انظر شاہ صاحب ابن مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیری کی سرپرستی میں قائم ہوا ہے اور برابر آگے بڑھ رہا ہے۔

یہ صاحبزادگان اپنے اپنے حلقہ اثر اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق قاسم و رشید کے مسلک حق کی روشنی میں کتاب و سنت کی اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

البتہ قدیم دارالعلوم کی بنیادیں مضبوط ہیں اور وقف دارالعلوم ابتدائی منزل میں ہے اور یہ فرق تعلیمی کارگذاری اور انتظامی استحکام میں صاف صاف نظر آتا ہے۔

⁘ ⁘ ⁘

چند یادگار واقعات

بالاکوٹ کی زیارت تحریک آزادی کے وہ مجاہد جن کی زندگیاں ہماری خدمت گذاری میں گذریں اور جن کی ایمان افروز صداؤں، تقریروں اور مواعظ سے ہمارے دل و دماغ روشن رہے وہ تقسیم کی نذر ہو کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

ہم پر حق ہے کہ انھیں یاد رکھیں کیوں کہ آج اگر ہم ایک آزاد وطن کے باشندہ ہیں اور اپنے آزاد وطن میں ایمان و اسلام کی روشنی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ انہی اہل اخلاص سرفروشوں کی قربانیوں کا صدقہ ہے۔

ان میں سے ایک یادگار ہستی مولانا عبدالحنّان ہزاروی کی ہے۔ برصغیر کی مشہور سرفروش دینی جماعت مجلس احرار اسلام بڑے بڑے پرجوش اور شعلہ نواز خطیبوں اور مقرروں پر مشتمل تھی، اور ان میں زیادہ تر پنجاب و سرحد کے رہنما شریک تھے اور پنجاب کی سرزمین جذبات کی شدت اور مارشل احساسات میں مشہور رہے۔

مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی اس جماعت کے پرجوش رہنما تھے اور اسی کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔

مولانا عبدالحنان مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد تھے، اچھے صاحب علم اور صاحب شعور و بصیرت تھے۔

مجلس احرار نے جب یہ دیکھا کہ تقسیم ہند اب ناگزیر ہوگئی ہے تو اس جماعت نے

اپنا نصب العین حکومت الٰہیہ کا قیام مقرر کر لیا، حالانکہ اب تک یہ جماعت کانگریس میں غیر مشروط شرکت پر زور دیتی رہی تھی جبکہ جمعیۃ علماء ہند کے رہنما خاص طور پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ مفتیٔ اعظم ہند (صدر جمعیۃ علماء ہند) مشروط شرکت کے علمبردار تھے اور کانگریس کے ساتھ مسلم حقوق کا معاہدہ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

تحریک آزادی کی جدوجہد میں یہ دونوں جماعتیں ہم سفر تھیں، مجلس احرار نے ۴۳ء میں سہارنپور کے اندر اجلاس منعقد کیا اور اس اجلاس میں حکومت الٰہیہ کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ اسوقت ہوا جب تقسیم ہند کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

اس سے مولانا مرحوم کو اختلاف تھا، چنانچہ مرحوم کی سرگرمیاں جمعیۃ علماء کے ساتھ وابستہ ہو گئیں اور مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے مرحوم کو ناظم دعوت و تبلیغ مقرر کر دیا۔

سہارنپور کے اجلاس میں یہ لطیفہ پیش آیا کہ مجلس احرار کے رہنما حافظ علی بہادر خاں، بمبئی سے اپنا کانگریسی لباس اتار کر عربی عقال سر پر اور عربی سعودی عبا جسم پر ڈال کر دلی تشریف لائے، یعنی اب وہ حکومت الٰہیہ کا سراپا بن کر ظاہر ہوئے۔ اس عجیب لباس میں وہ دلی میں پھرتے تھے اور جاننے والوں کیلئے مذاق کا موضوع بنے ہوئے تھے۔

سہارنپور کے اجلاس میں حافظ صاحب نے مجلس کے نئے نصب العین پر ایک زوردار تقریر کی اور اقبال کے اس شعر سے تقریر کا آغاز کیا۔ ؎

نشاں یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

مولانا عبدالحنان ہزاروی نے مخالفت میں تقریر کی اور حافظ صاحب کو ایک بہروپیہ کہکر ان کا مذاق اڑایا، اور یہ شعر پڑھا ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را مے شناسم

اور کہا کہ اس قسم کی نظریاتی تبدیلی سے مجلس احرار اپنی کمزوری ظاہر کر رہی ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہمیں فتح مکہ کی طرح معافی نہیں دی جائے گی بلکہ مسلم لیگ والے ہمارا جینا دو بھر کر دیں گے، لیکن بہر حال ہماری قسمت جس سرزمین سے وابستہ ہے اسے خیر باد کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور پھر بڑے والہانہ انداز سے یہ شعر پڑھا۔

کرو کج جبیں پہ سرکفن، میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا

مولانا ہزاروی نے اپنے وطن (سرحد) میں جاکر مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لئے اپنے سیاسی خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی اور سیاست سے کنارہ ہو کر اپنے آپکو تبلیغ دین کے کاموں میں لگا دیا۔

مولانا ہزاروی نے حافظ علی بہادر خاں مرحوم کو بہروپیہ کہا تھا — اور ان کا یہ طنز ایک حقیقت بن گیا اور حافظ صاحب آخر دم تک روپ ہی بدلتے رہے۔

مجلس احرار کے پنجابی رہنما، پنجاب چلے گئے، اور حافظ صاحب نے دلی میں کانگریس سے اپنا رشتہ قائم کر لیا۔

مولانا عبدالماجد دہلوی

مولانا ہزاروی اور مولانا عبدالماجد صاحب دونوں لطیفہ گو مقرر جب ایک جلسہ میں جمع ہو جاتے تھے تو جلسہ بڑا پُر کیف ہو جاتا تھا۔ دلی کے ایک دینی اجتماع میں مولانا عبدالماجد صاحب نے کہا، دلی والو! تم تو بردیسی نواز ہو، پیاز بھی لسّی کی کھاتے ہو۔

دلّی میں پیاز بیچنے والے یہ آواز لگاتے تھے، بستی کی پیاز۔ بستی دلی کے قریب ایک موضع ہے، اس کی پیاز مشہور تھی۔ یہ مولانا ہزاروی پر چوٹ تھی، مولانا ہزاروی خاموش رہنے والے کہاں تھے۔ انھوں نے ایک حکایت سنائی۔

مولانا فخر الدین صاحب چشتی جو شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے ہم عصر تھے، انکے ایک خاص مرید خواجہ نور محمد صاحب مہاروی (پنجاب) روحانیت میں بہت آگے اور صورت شکل کے نہایت بھدّے سیاہ فام تھے، کچھ مریدوں نے آپس میں خواجہ صاحب کے ساتھ مولانا کے خاص تعلق کو موضوع بحث بنایا، مولانا کو کشف کے ذریعہ معلوم ہو گیا۔ چنانچہ ایک مجلس میں خواجہ نور محمد صاحب کے بارے میں مولانا نے ہندی کا یہ شعر پڑھا۔ ؎

تن مٹکے، من جھیر نا، سُرت بلوَن ہار
مکھن پنجابی لے گیا، چھاچھ بیو سنسار

میرا تن وجد میں ہے اور میرا من جھیر جھیر ہو رہا ہے اور میں بڑا ہوشیار دُودھ بلونے والا ہوں مگر میرا پنجابی مرید مکھن لے گیا اور چھاچھ سنسار کے لئے چھوڑ گیا۔

مولانا ہزاروی ایک علمی آدمی بھی تھے صرف خطیب ہی نہیں تھے، ان پر چوٹ کرنا آسان کام نہ تھا۔

۴۷ء کے قیامت خیز ہنگاموں نے جب شدّت اختیار کی تو مولانا ہزاروی اپنے بال بچوں کیطرف سے پریشان رہنے لگے، انکے بال بچے ہزارہ (پشاور) میں تھے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے انکی پریشانی کو محسوس کر لیا اور انکے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ منگوا کر انھیں روانہ کر دیا۔

پاکستان جا کر مولانا نے گوشہ نشینی کی زندگی گذاری، حالانکہ مجلس احرار اور جمعیۃ علماء اسلام (جمعیۃ علماء ہند کی شاخ) نے اینٹی قادیانی کی تحریک چلائی اور اس تحریک میں انکا اثر قائم ہو گیا اور ان حضرات کو پاکستان مخالف کا طعنہ دینے والے ٹھنڈے پڑ گئے۔

مولانا ہزاروی نے وفات پا کر جہاں اپنا مسکن بنایا اس کا تصور کرنا بھی مشکل

ہے نومبر ۱۹۸۴ء میں جب میں نے پاکستان کا سفر کیا تو برادرم مولانا سعید الرحمن صاحب علوی علیہ الرحمۃ کے ساتھ بالاکوٹ کی زیارت بھی کی۔

یہ خواہش میری اس وقت سے تھی جب میں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے دفاع میں ایک کتاب لکھی جس میں دلی کے مشہور سجادہ نشین مولانا زید میاں فاروقی مجددی کی کتاب تقویۃ الایمان اور مولانا اسمٰعیل شہید پر غیر علمی اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا اور حضرت شہید کو تاریخ کا ایک مظلوم مجاہد قرار دیا۔

علوی صاحب کے ساتھ میرے ایک خالہ زاد بھائی ظفر سبزواری (مقیم حال کراچی) بھی تھے۔

بالاکوٹ پہنچ کر، ہم نے حضرت شہید کے مزار کی زیارت کی جو دریائے کنہار کے کنارے واقع ہے، یہی وہ میدان ہے جہاں حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سکھ فوجوں سے آخری مقابلہ کیا تھا اور جام شہادت نوش کیا تھا۔

یہ مقدس میدان چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اس پہاڑ کی دوسری لائن وادی کاغان کہلاتی ہے جو برف پوش پہاڑوں سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہے یہیں سے شاہراہ قراقرم آگے جا رہی ہے۔

اس میدان میں دریائے کنہار کے کنارے ایک مسجد کے پہلو میں ایک احاطہ ہے پہلے یہ مسجد ایک چھوٹی سی مسجد تھی اب اسے ایک جامع مسجد کی حیثیت سے وسیع کر دیا گیا۔

غیر مستند روایت کے مطابق اس احاطہ میں ایک مزار شریف حضرت سیّد صاحب کا ہے اور سیّد صاحب کے پہلو میں مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی آرام فرما ہیں۔

میں نے مولانا کے کتبہ کو بڑی حیرت سے پڑھا، علوی صاحب کو بلا کر اس کی تحقیق کی کہ کیا یہ وہی مولانا عبدالحنان ہزاروی ہیں جو جمعیۃ علماء سے وابستہ تھے۔

انھوں نے تصدیق کی اور بتایا کہ مولانا نے وصیّت کی تھی کہ مجھے ہزارہ سے لے جاکر سیّد صاحب کے پہلو میں دفن کرنا۔

اس جگہ سے کچھ بلندی پر ایک چبوترہ ہے، اس چبوترہ پر حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید اپنے چند ساتھی شہداء کے ساتھ آرام فرما ہیں۔

ایک چبوترہ اس کے قریب ہی کچا ہے، جس میں تیس مزارات حضرات شہداء کے ہیں۔ پختہ چبوترہ پر ۱۶ مزارات ہیں۔

مولانا شہید کے سرہانے ایک کتبہ ہے جس پر یہ دو شعر کندہ ہیں۔

اے ذبیح اللہ اسماعیلِ ما　　شد ندایت صورِ اسرافیلِ ما

خون خود را در کہِ کہسار ریخت　　لیک بیخ حریت در ہند بیخت

تاریخ شہادت جمعہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ۔ یہ کتبہ سنگ مرمر کا ہے اور پرانا کتبہ سنگ خارا کا تھا جو قریب ہی رکھا ہوا ہے۔

حضرت سیّد احمد بریلوی کے مزار کو میں نے غیر مستند کہا ہے کیونکہ اس کی تصدیق اہل علم نہیں کرتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیّد صاحب کا جسم پاک شہادت کے بعد دریا کے پانی میں بہہ گیا تھا۔ آپ نے دعا کی تھی کہ الٰہی! دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سے میری نعش کو محفوظ رکھیو۔

یہ دعا سیّد صاحب کی قبول ہوئی اور سکھ فوجوں نے تلاش کرنے کے بعد بھی سیّد صاحب کی نعش کا پتہ نہیں پایا۔

البتہ کچھ دور جاکر آپ کا سر مبارک ایک کنارہ کی بستی والوں کو نظر آیا اور انھوں نے اسے اپنی بستی میں دفن کر دیا، بعد میں کچھ لوگوں نے سیّد صاحب کا ایک مزار بنا دیا۔

علوی صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری علیہ الرحمہ

بھی یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کشف کے ذریعہ معلوم کرنا چاہا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ سیّد صاحب اس جگہ مدفون نہیں ہیں۔

میدانِ شہادت کا جو نقشہ ہے اسے دیکھکر ان مجاہدین کے حوصلوں کی داد دینی پڑتی ہے کہ فوج پہاڑ کے اوپر سے گولے برسا رہی تھی اور نیچے میدان میں مجاہدین دفاع کر رہے تھے۔ اس گولہ باری کے باوجود مجاہدین سکھ فوجوں کے قابو میں نہیں آرہے تھے، یہاں تک کہ مجاہدین سے سکھوں نے دست بدست نیچے اتر کر جنگ کی اور پھر قابو پایا۔

ہزاروں سلام تم پر اے بالاکوٹ کے شہیدوں! تم نے عہد اوّل کے شہدار کی بے مثال شجاعت کی یاد تازہ کر دی۔ اے بالاکوٹ! تو ہمیشہ اس امّت کے اندر ایمانی جوش وجلال پیدا کرتا رہے گا۔

مولانا وحید الدین خاں (سیکولر دور کے جن سنگھی فلاسفر) فرماتے ہیں کہ سیّد احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید کی تحریک جہاد، جان ومال کا ضیاع اور وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔

پاکستان کے بریلوی پروفیسر (پروفیسر مسعود احمد ابن مفتی مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری مرحوم) کی جدید تحقیق یہ ہے کہ تحریک جہاد انگریزوں کی تحریک تھی اور یہ مجاہدین انگریزوں کے کارندے تھے جو سکھ قوّت کا زور توڑنے کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔

مولانا عبد الحلیم صدّیقی

مولانا عبد الحلیم صاحب صدّیقی (ملیح آباد لکھنؤ) جمعیۃ علماء ہند کے قدیم

رہنماؤں میں سے تھے جمعیۃ علمار ہند نے جب شدھی کی تحریک کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ اور اس وقت جمعیۃ علمار کا دفتر بلی ماران کے ایک بالائی کمرہ (جفت فروشاں کے اوپر مسجد کے قرب) میں تھا۔ اس وقت مولانا صدیقی اس جوابی تحریک کے انچارج تھے۔

آپ نے تحریک آزادی میں بھی سرگرم حصہ لیا۔ ۴۷ء کے بعد مولانا آزاد نے مرحوم کو کلکتہ مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کر دیا۔

مرحوم عربی ادب کے بہترین عالم تھے اور اس وقت حلقہ علمار میں عربی میں تقریر کرنے اور گفتگو کرنے کی اعلیٰ مہارت جن حضرات میں تھی ان میں مولانا کو خصوصیت حاصل تھی۔

شاہ سعود کی دعوت پر جمعیۃ علمار کا جو وفد حجاز گیا، اس میں بطور متکلم مولانا صدیقی کے جانے کا چرچا تھا لیکن مولانا عبدالحق صاحب مدنی مرادآبادی کو ترجیح حاصل ہوگئی، کیونکہ مولانا عبدالحق صاحب مدینہ منورہ میں بطور مدرس رہ چکے تھے۔ اس سے مولانا صدیقی کو بہت ملال ہوا۔

مدرسہ عالیہ سے ریٹائر ہونے کے بعد مولانا نے دفتر جمعیۃ علمار میں قیام رکھا۔

مرحوم قرآن کریم کے بے مثال حافظ تھے اور رمضان المبارک میں مسجد سنہری متصل لال قلعہ میں چند روز کے اندر قرآن کریم ختم کرلیا کرتے تھے۔ اس مجلسِ تراویح میں ہر علاقہ کے مسلمان شرکت کرتے تھے۔

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

پہاڑ گنج کے قریب پنچکوئیاں روڈ پر عہد عالمگیری کے ایک عظیم بزرگ حضرت سیّد حسن رسول نما کا مزار ہے۔ اس مزار پر عرس کے موقع پر دلی کے تمام زنانے اور ہیجڑے بھی جمع ہوتے تھے۔ اور اس کے بارے میں یہ حکایت مشہور تھی کہ ایک روز دلّی کے زنانوں نے سیّد حسن صاحب کے ساتھ دل لگی کرنے کا پروگرام بنایا اور ایک مسہری پر زندہ ہیجڑے کو لٹا کر مُردے کی طرح اُن کے پاس لے گئے، اور کہا کہ اس کی نماز پڑھا دو۔

سیّد صاحب نے کہا کہ مردے کی نماز پڑھاؤں یا زندہ کی؟

زنانوں نے کہا کہ مُردے کی۔

سیّد صاحب نے اس پر جنازہ کی نماز پڑھا دی۔ زنانوں نے مسہری کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو یہ دیکھا کہ وہ زنانہ واقعی مردہ پڑا تھا۔

اس کرامت کی وجہ سے زنانے ہر عرس میں شریک ہوتے تھے، اب وہ صورت نہیں رہی۔

ایک دفعہ پہاڑ گنج میں مجلسِ احرار کی کانفرنس تھی، تقسیم سے پہلے کی بات ہے، مجلسِ احرار کے رہنما محلہ سنگتراشان میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی تھے۔

حافظ عبدالعزیز نے کہا۔ شاہ جی! ہمارے قریب [illegible] بڑے بزرگ کا مزار ہے اور ان کے عرس میں زنانے جمع ہوتے ہیں اور بڑی بے ہودگی ہوتی ہے۔

علاقے کے لڑکے بالے ان سے چھیڑخانیاں کرتے ہیں، آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم احرار کے رضاکاروں کے ذریعہ اس بدعت کو ختم کرا دیں اور زنانوں کو

عرس میں نہ آنے دیں۔

شاہ جی کو رات کی تقریر کا ایک دلچسپ موضوع مل گیا، بولے، اچھا ٹھیکیدار تم مجھے رات کو تقریر سے پہلے اشارہ کر کے یاد دلا دینا۔

رات کو عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی، شہر کے تمام جھگڑالو مسلم لیگی جلسہ کو خراب کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ شاہ جی کو بتا دیا گیا۔

شاہ جی نے تقریر شروع کی اور یہاں سے شروع کی کہ:

"ہمارے ٹھیکیدار صاحب نے دہلی کے مشہور بزرگ کے مزار پر عرس کے موقع پر دلّی کے مردانوں کے ساتھ دلی کے زنانوں کے جمع ہونے کی شکایت کی ہے، پہلے میں ٹھیکیدار صاحب سے نمٹ لوں، پھر دوسری باتیں کروں گا۔"

ٹھیکیدار صاحب! دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں، جنسِ ثقیل (مرد)، جنسِ لطیف (عورتیں) اور جنسِ کثیف (زنانے ہیجڑے)۔ اس جنسِ کثیف سے عالمگیر بادشاہ بھی بہت تنگ تھا۔

اس نے ایک دفعہ حکم دیا کہ دلّی سے تمام زنانوں کو نکال دیا جائے، ہو سکتا ہے عالمگیر کو یہ اطلاع ملی ہو کہ دلّی کے زنانے سیّد صاحب کو پریشان کرتے ہیں۔

صبح کو جب عالمگیر قلعہ سے باہر نکلا تو دیکھا کہ شہر کے تمام زنانے قطار باندھے ایک دوسرے کے پیچھے تکّی بنے ہوئے کھڑے ہیں۔

عالمگیر نے آدمی بھیجا کہ یہ کیا حرکت ہے؟

زنانوں نے جواب دیا۔ حضور بادشاہ سلامت کا حکم یہ ہے کہ دلی سے نکل جاؤ، ہم کہاں جائیں؟ سارے ملک میں بادشاہ سلامت کی حکومت ہے، اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جہاں سے نکلے ہیں، وہیں داخل ہو جائیں۔"

عالمگیر کو ہنسی آگئی اور زنانوں کو وہاں سے بھگا دیا گیا۔

یہ ٹھیکہ دار کہتے ہیں کہ ان زنانوں کو درگاہ پر آنے سے روکا جائے، میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ تو کھلے زنانے ہیں، اور یہ ہمارے نوجوان جو زنانوں کی صورتیں بنا کر اور زنانے بال بنا کر زنانے کپڑے پہن کر بازاروں میں نکلتے ہیں ان کا کیا علاج سوچا ہے؟

جن کو خدا نے جنسِ ثقیل بنایا ہو، ڈاڑھی مونچھیں دی ہوں۔ چوڑا چکلا سینہ دیا ہو، بھاری بھرکم کڑاکے دار آواز دی ہو۔

یہ کہتے ہوئے شاہ جی نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیا۔ پھر ڈاڑھی پہ ہاتھ پھیرا پھر کندھے پر احرار کی نشانی کلہاڑی رکھی اور اپنا چوڑا چکلا سینہ ابھارا، اور فرمایا۔

"یہ جنس ثقیل اگر جنس کثیف بننے لگے تو پھر اس پر میرے نانا جان کی پھٹکار پڑے یا نہ پڑے، پھر یہ حدیثِ پاک سنائی۔

لعن اللہ المتشابھین والمتشابہات۔

خدا کی پھٹکار ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

شاہ جی جیسا قادر الکلام اور بذلہ سنج بے بدل خطیب کسی مسئلہ پر خطابت کا زور دکھائے اور سامعین پر بے خودی طاری نہ ہو۔؟

شاہ جی نے موضوع کی مناسبت سے ڈاڑھی منڈوں کا جو مذاق اڑایا تو اس کی سیدھی زد ان مسلم لیگی نوجوانوں پر پڑی جو جلسہ میں گڑبڑ کرنے آئے تھے، یہ طنز سنکر ایک ایک کرکے آہستہ آہستہ یہ لوگ کھسک گئے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی بھی اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے اور شاہ جی سے مولانا کی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ شاہ جی جب اپنی مونچھوں پر تاؤ دیکر اپنا سینہ

اُبھار رہے تھے تو مولانا احمد سعید نے اس وقت پیچھے سے یہ شعر پڑھا۔

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

شاہ جی تقریر کے دوران ایکٹنگ بھی کرتے تھے، مولانا کے شعر پر اپنے پٹھے بالوں کو جھٹکا دیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا اور برجستہ یہ شعر پڑھا۔

مت ستا ظالم کسی کو مت کسی کی ہائے لے
دل کے دکھ جانے سے ناداں عرش بھی ہل جائے ہے

کوئی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں بے جوڑ باتیں بہت کرتا ہوں، لیکن کیا کروں، میں چاہتا ہوں کہ جن بزرگوں کے اخلاص اور جن کی روحانیت کا مسلمانوں نے پاکستان کے شوق میں اندازہ نہیں لگایا ان کا جتنا تعارف ہو سکے اچھا ہے تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں اب تک غبار ہے وہ اپنے سینہ کو صاف کر لیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو مسلم لیگ کا اخبار الامان اور وحدت بخاراللہ شاہ عطائی لکھتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے مذہبی قائدین کی جو چاندی ہوئی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ علماء کرام اب کوٹھیوں اور بنگلوں میں ہیں۔ موٹریں دروازوں پر کھڑی ہیں۔ ہوائی جہاز کے ٹکٹ امریکہ کے، لندن کے، سعودی عربیہ اور کویت کے سرہانے رکھے رہتے ہیں۔

شاہ جی کی پیری، مریدی کا دائرہ بھی پنجاب میں وسیع تھا۔ اور پھر مجلس احرار کے جماعتی اثرات بھی تھے اور اب بھی ہیں ـــــ لیکن اس مردِ درویش نے ساری زندگی ایک چھوٹے سے مکان میں گزار دی۔

(شائع شدہ ہفتہ وار الیوم دہلی)

نورالدین صاحب بیرسٹر کا ایک یادگار واقعہ

۶۵ء کی ہند پاک جنگ کے موقعہ پر ایک نازک مرحلہ اس وقت پیش آیا جب ہندوستان کی فوجوں نے بین الاقوامی سرحد پار کر کے لاہور پر حملہ کر دیا اور ہندوستان کی فوجیں لاہور میں داخل ہو کر شالیمار باغ تک پہنچ گئیں وہ تو اچھو گل نہر آڑے آگئی ورنہ معاملہ بہت آگے بڑھ جاتا، ادھر بڑی طاقتوں نے مداخلت کر کے ہندوستان کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور پاکستان پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ راجستھان کی سینکڑوں میل لمبی ہندوستانی سرحد پر اپنی پیش قدمی روک دے۔

ہندوستان کی پیش قدمی جس دن ہوئی اس دن میونسپل کمیٹی دلّی کا اجلاس ہو رہا تھا اور اس میں پاکستان کے جارحانہ حملہ کی مذمت پر تجویز زیر بحث تھی تجویز پاس ہوتے ہی نورالدین صاحب بیرسٹر اپنے کمرے میں چلے گئے، انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ پرائم منسٹر صاحب کے ہاں سے فون آیا ہے تمام ممبران ممبر روم میں جنگ کے حالات پر تبصرہ کر رہے تھے اس وقت ممبر روم میں یہ خبر پہنچی کہ پرائم منسٹر صاحب کے ہاں سے یہ فون آیا ہے ۔ نورالدین صاحب بہار ہیں انھیں لاہور کا ڈپٹی کمشنر بنا کر بھیجا جائے گا، لاہور بہت جلد ہندوستان کے قبضہ میں آنے والا ہے۔

ممبران نے میئر صاحب کے کمرہ میں پہنچکر انھیں مبارکباد دینی شروع کر دی میں اور مولانا محمد سعید بھی پہنچے، بیرسٹر صاحب کی عجیب حالت دیکھی، بیرسٹر صاحب دل کے خوف د ہراس کو بناوٹی تبسم سے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے ممبر روم میں ادھم مچ رہا تھا کہ ہندوستان نے لاہور کو فتح کر لیا، ایک خاتون ممبر مسز اوشا گھنہ

نے بیرسٹر صاحب کے لئے پھولوں کا کنٹھا بھی منگا لیا۔ مسز کھنہ ایک فوجی افسر کی بیوی تھیں، عمر ڈھل چکی تھی مگر ان کا دل جوان تھا زندہ دل ممبران ان سے دلچسپی لیتے تھے بیرسٹر صاحب بھی اپنے کمرہ میں ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتے تھے کیونکہ بیرسٹر صاحب کی زندہ دلی بھی مشہور تھی۔

ممبران میں مسٹر امرناتھ چاولہ صاحب ایک ممبر تھے جو ممبران کی بچکانہ اچھل کود سے الگ تھے وہ یہ کہتے ہوئے باتھ روم میں چلے گئے یہ سب بے وقوفی کی باتیں ہیں انتظار کرنا چاہیئے۔

ممبر روم کے ہنگامہ میں میری اور مولانا محمد سعید کی حالت عجیب تھی، حکیم شریف خاں اور چودھری عبدالستار صاحب تو سب کے ساتھ قہقہے لگا رہے تھے لیکن ہماری جان پر بن رہی تھی، مولانا نے میرے کہنی ماری اور کہا چلو ایک چائے پی آئیں، یہ کہکر ہم دونوں گھر چلے آئے۔

آزاد ہندوستان کی ہولیاں

ملک کی آزادی کے بعد پانچ چھ سال تک دلّی والوں کے ساتھ برادرانِ وطن نے آزادی کی خوشی میں جس بے خودی اور بدمستی کے ساتھ ہولی کھیلی وہ آزاد ہندوستان کی تاریخ کا بدنما داغ ہے۔ خود میرے ساتھ چاوڑی بازار دلّی میں جو حادثہ پیش آیا وہ بڑا افسوسناک تھا۔

میں لال کنواں سے جمعیۃ علماء کے دفتر کباڑی بازار جا رہا تھا، یہ غالباً آزاد ہندوستان کی پہلی ہولی تھی میرے ساتھ محمد اسماعیل غوری بھی تھے۔ بڑھ شاہ بولا کے پاس ہمیں ہولیاروں نے گھیر لیا اور ہر طرف سے رنگ ڈالنا شروع کر دیا۔ تانگے والا تانگہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ گھوڑا بیچ سڑک پر، ٹرام کی لائن پر کھڑا ہو گیا، ہنگامہ دیکھکر

ٹرام کا ڈرائیور بھی ٹرام روک کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن ایک بدمست ہولیارہ ٹرام پر چڑھا اور اس کا ہینڈل گھما دیا، ٹرام چل پڑی ٹرام کی گھڑگھڑاہٹ سے گھوڑا بدک کر لائن سے ہٹ گیا ورنہ ہمارا کام تمام ہو گیا تھا کیوں کہ ہم تانگے سے کود کر کہاں بھاگتے ہر طرف سے ہم پر یلغار تھی، بہرحال ہولیاروں کا جب جی بھر گیا اور وہ پاکستان مردہ باد کے نعرے لگاتے لگاتے تھک گئے تو ہم تانگے سے اتر کر سیدھے مولانا احمد سعید صاحب کے پاس آئے مولانا نے ہماری حالت دیکھکر ڈپٹی کمشنر کو فون کیا اور بتایا کہ شہر کے مختلف علاقوں سے ہولیاروں کی بدتمیزی کی اطلاعات آرہی ہیں لیکن جب میرے سامنے جمعیۃ علماء کے یہ کارکن اس بُری حالت میں آئے اُس وقت میں نے آپ کو فون کیا آپ شہر کی حالت کو سنبھالئے اس کے بعد مولانا احمد سعید صاحب نے مولانا آزاد کو فون پر شہر کے حالات بتائے، مولانا نے جواب دیا۔ ہاں میرے بھائی یہ کچھ دنوں صبر کرنا ہی پڑے گا گھبرائیے نہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے مولانا آزاد کے یہ فقرے ہمیں سنائے، عام مسلمان اس قسم کے حوادث پر یہ کہتے تھے ان مولویوں نے ہمیں مروادیا، اب کہتے ہیں صبر کرو صبر کرو۔ خواص بھی ناامید ہو ہو کر بھاگ رہے تھے۔ لیکن علماء حق اور اس حلقہ کے صاحب بصیرت عالم مولانا آزاد ناامید نہیں تھے۔

مسٹر ظہور الحق صاحب چیف جسٹس سندھ

میری ایک بھانجی (سراج الحق گوٹے والے کی صاحبزادی) ان کے ایک عزیز ظہور الحق صاحب کی بیگم ہیں۔ ظہور الحق دلی مسلم لیگ کے صدر شجاع الحق کے لڑکے ہیں، یہ ایک وکیل ہیں، ترقی کر کے سندھ کے چیف جسٹس ہو گئے ہیں۔

ظہور صاحب پاکستان اسکاؤٹ کے چیرمین بھی تھے، ظہور صاحب

صدر ضیاء الحق صاحب کے دور میں ایک انٹرنیشنل اسکاؤٹ کی ریلی میں ہندوستان آئے، اُن کی بیگم اُن کے ساتھ تھیں۔

رُخصت ہوتے ہوئے ان کی بیگم (مُبینہ بیگم) نے فرمائش کی کہ مجھے دلّی کی گزک خریدنی ہے، گھر والوں نے فرمائش کی تھی۔

میں نے کہا، کراچی میں کیا چیز نہیں ہے. ظہور صاحب بولے، جی ہاں ماموں جان! سب کچھ ہے مگر دلّی کی خستہ گزک نہیں ہے۔

یہ میری وہ بھانجی تھی جو اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ مولانا آزاد کی متحدہ قومیت کے بارے میں مجھ سے بحث کرتی تھی اور عابد حسین اور مجیب صاحب (جامعہ ملیہ) کے تصور قومیت سے مولانا آزاد کی متحدہ قومیت کو ملاتی تھی۔

یہ پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں، ایک روز بحث میں یہ لڑکیاں اس قدر جوش میں آئیں کہ الماری میں سے مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا پہلا حصہ (الفاتحہ) نکال کر لائیں اور اس میں سے نشان زدہ عبارتیں مجھے دکھانے لگیں، میں نے انکی تشریح کی لیکن بھلا وہ اس زہریلے ماحول میں کیسے مطمئن ہو سکتی تھیں. انھوں نے وہ تفسیر میرے حوالہ کر کے کہا، لیجئے، یہ آپ ہی لے جائیے یہ ہمارے کام کی نہیں ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ خاندان پاکستان بننے کے بعد پاکستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

آج میں جب مولانا آزاد کی تفسیر کی وہ جلد دیکھتا ہوں تو مجھے اس منافرت انگیز دور کی باتیں یاد آجاتی ہیں۔

افسوس ہے کہ اس خاندان کے اکثر افراد کراچی کے موجودہ حالات سے تنگ آکر اپنے محبوب وطن (پاکستان) سے ہجرت کر کے امریکہ منتقل ہو گئے ہیں۔

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور سورۂ رحمٰن

شیر کشمیر شیخ عبداللہ مرحوم جب اپنے جگری دوست پنڈت جواہر لال نہرو
کی قید سے رہا ہوئے تو مرحوم نے درگاہ حضرت قطب صاحب میں فاتحہ پڑھنے کا
پروگرام بنایا، حکومت کی طرف سے ہلال قطبی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ شیخ صاحب
کا استقبال کیا جائے۔ ہلال صاحب نے مولانا احمد سعید صاحب کو فون کیا کہ اس
موقعہ پر آپ تشریف لے آئیے تاکہ شیخ صاحب کا اچھا استقبال ہو جائے۔

شیخ صاحب جیل سے رہا ہوئے تھے، حکومت کی طرف سے ان کے
ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا جا رہا تھا کیونکہ شیخ صاحب کا اندرونی طور پر سمجھوتہ ہو گیا تھا۔

مولانا احمد سعید صاحب نے یہ کام اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحب
اور میرے سپرد کر دیا، ہم دونوں صبح سویرے درگاہ پہونچ گئے، شیخ صاحب کو
صبح کی نماز بھی درگاہ ہی میں پڑھنی تھی۔

درگاہ کے قدیم امام ہلال قطبی صاحب کے والد مرحوم تھے، امامت کیلئے
مرحوم نے مجھ سے کہا میں نے شیخ صاحب سے درخواست کی، شیخ ہنسنے لگے،
میں تو ایک گناہ گار آدمی ہوں آپ لوگ عالم ہیں، آپ پڑھائیں۔ میں نے کہا
آپ بہترین قاری ہیں آج آپ کے پیچھے سورۂ رحمٰن سے نماز پڑھیں گے،
بارہ ربیع الاوّل کو سورۂ رحمٰن کشمیر میں آپ سے سُنی تھی۔

غور سے میری طرف دیکھا، مسکرائے اور بولے، آپ کو خوب یاد رہا۔ اور
مصلے پر کھڑے ہو کر سورۂ رحمٰن سے نماز پڑھائی۔

میں نے بارہ ربیع الاوّل کی فاتحہ میں شیخ کی کوٹھی پر ان سے سورۂ رحمٰن
سُنی تھی میں سیرت کے ایک جلسہ کے سلسلہ میں سری نگر میں تھا، شیخ بھی اس میں

شریک تھے، شیخ صاحب نے مجھے فاتحہ میں شرکت کی دعوت دی۔

شیخ کی کوٹھی پر سری نگر کے تمام علماء و مشائخ اپنے مخصوص مذہبی لباس عمامے اور جبّہ میں ملبوس شریک تھے، شیخ بھی ایک کڑھی ہوئی ٹوپی سر پر رکھے موجود تھے، حسب دستور تلاوت شروع ہوئی، شیخ کی باری آئی، شیخ نے سورۃ رحمٰن کے ایک طویل حصّے کی تلاوت کی۔ کشمیری لہجہ، کشمیری ترنم اور پھر علماء و مشائخ کا بار بار سبحان اللہ! سبحان اللہ کہنا، مجلس میں عجیب پرکیف سماں بندھ گیا، شیخ باقاعدہ قاری نہیں تھے۔ لیکن ان کی تلاوت میں ایک خاص قدرتی ترنّم تھا۔

پھر سلام پڑھا گیا اور شیخ ہی نے حفیظ جالندھری کا سلام۔ سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی۔ اپنے دلسوز کشمیری ترنم میں پڑھا۔

میں نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا اور شیخ صاحب کو یاد آگیا تھا۔

نماز سے پہلے میں نے شیخ صاحب کی جوتی باہر سے اٹھا کر اندر رکھ دی تھی تاکہ کوئی ضرورت مند شیخ صاحب کی جوتی پر ہاتھ صاف نہ کر دے۔

نماز کے بعد شیخ صاحب نے اسی جگہ اپنی جوتی دیکھی تو جوتی غائب تھی، میں نے دیکھا اور اندر سے جوتی لا کر شیخ کے حوالہ کی۔

بولے! دلی والے جوتی چھپانے کا بھی مذاق کرتے ہیں، میں نے اپنے ایک دوست کے لڑکے کی شادی (چالے کی دعوت ہوگی) میں دولہا کی جوتی چھپانے کا مذاق دیکھا تھا۔

میں نے کہا، جی ہاں! آپ بھی آجکل نوشہ ہی ہیں، مگر میں نے تو حفاظت کی خاطر آپ کا جوتہ اندر رکھ دیا تھا۔

شیخ صاحب درگاہ پر آئے، بڑے تاثر کے ساتھ دیر تک فاتحہ پڑھتے

رہے، فاتحہ کے بعد بولے، میں نے تو یہ سُنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب نے تاکید کی تھی کہ میرا مزار کچا رہے اور مزار پر کوئی عمارت گنبد وغیرہ نہ بنایا جائے۔

ہلال صاحب تو چُپ رہے مگر میں نے کہا۔

جی ہاں! خواجہ صاحب کی تاکید کے مطابق آپ کا مزار کچا ہی ہے۔ لیکن یہ گنبد انگریزی حکومت میں ایک پنجابی مسلمان (قمر الدین کھلونے والے) نے بنوایا تھا۔

حضرت کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت بابا فرید صاحبؒ کا دور آیا، بابا صاحب کے بعد حضرت سلطان جی کا دور آیا، پھر حضرت مخدوم نصیر الدین بن چراغ دہلوی کا دور آیا۔ ان بزرگوں میں سے کسی کے دور میں گنبد نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ انگریزی عہد آگیا اور اس عہد کے آخر میں یہ گنبد ایک سرمایہ دار مسلمان نے تعمیر کرایا۔ یہ ہمارے سامنے کی بات ہے۔

مولانا مودودیؒ اور دلّی کی نہاری روٹی

رائین برادری کا ایک طبقہ نان بائی کا کام کرتا تھا، ان کی زیادہ تر رہائش بازار لال کنواں دہلی میں تھی۔ اور دلّی کے مشہور نہاری والے یہیں آباد تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ نہاری کا مزا انہی کے ہاتھ میں قدرت نے رکھا تھا۔

اس برادری کے ایک مشہور نہاری والے ملک فضل تھے جن کی دوکان فراشخانہ کے باہر تھی اور جہاں فراش خانہ میں ترجمہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد مولانا احمد سعید اپنے ساتھیوں مولانا عبد الماجد صاحب اور غوری پہلوان کے ساتھ مولویانہ تکلّف برطرف کر کے نہاری روٹی کھاتے تھے۔

دلّی والوں کو نہاری روٹی کھانے کا اصلی مزا جب آتا تھا جب ان کے

سامنے ایک بڑی غوری میں نہاری ہوتی تھی جس کے اندر نلی، بھیجا، ہری مرچیں ادرک اور اوپر سے کھٹے کا رس اور پھر اس کے اوپر دیسی گھی کا بگھار۔ گرم گرم تندوری روٹیاں، آنکھوں اور ناک سے پانی جاری، منہ سے سوں سوں کی آوازیں اور پھر آخر میں منہ میٹھا کرنے کے لئے دیسی گھی کا حلوہ، دلّی والے نہاری کی تیز مرچوں کا فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس سے نزلہ زکام اور بخاری کھانسی سب بھاگ جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تیز مرچوں سے غریب معدے پر کیا گزرتی ہے۔

ہاں! دلّی کا کاریگر طبقہ، مزدور و محنت کش طبقہ اپنی محنت اور ورزش کے ذریعہ اسے ہضم کر لیتا تھا۔ داغ کا ایک شعر ہے ؎

پوچھئے مے کشوں سے لطف شراب
یہ مزہ پاکباز کیا جانیں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؔ صاحب بھی دلّی والے تھے، مرحوم دلّی سے آنیوالوں سے نہاری کی فرمائش کرتے تھے اور نہاری روٹی کھاتے وقت وہ ٹھیٹ دلّی والے معلوم ہوتے تھے۔

مرحوم اسوقت بھول جاتے تھے کہ وہ ایک نہایت نستعلیق قسم کے شائستہ مزاج آدمی ہیں اور ایک جماعت کے امیر ہیں اور ان کا اب قیام کوچہ پنڈت دلّی میں نہیں ہے، اور نہ چوڑیوالان کے شمسی کالج میں ہے بلکہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہے۔

شمسی کالج والوں سے مرحوم کی رشتہ داری تھی اور مرحوم دہلّی میں آتے تو وہیں قیام کرتے۔

میں نے ایک دفعہ دیوبند کے چند طلبار کے ساتھ شمسی کالج میں ہی مولانا سے ملاقات کی تھی، اور کچھ سوالات کئے تھے۔

مرحوم کے صاحبزادے فاروق حیدر صاحب کہتے تھے کہ ابّا جی دلّی کی نہاری کو بہت یاد کرتے تھے اور جب یہ نہاری پہنچ جاتی تھی تو گھر کا اچھے سے اچھا کھانا چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ وہ گھٹنوں کے درد کے مریض تھے۔

میرے ایک بھائی مولانا کے پڑوسی تھے۔ اچھرہ کی مسجد میں جب مولانا مرحوم تفسیر قرآن کا درس دیتے تھے تو بھائی صاحب اس میں شریک ہوتے تھے، اس ملاقات میں مولانا مرحوم ازراہ مذاق دلّی کی نہاری کا ذکرِ خیر کرتے تھے۔

پدڑیاں اُڑانے والے مَلِکُ شامی اس برادری کے ایک نامی گرامی کنجوس ملک شامی تھے، چُنامُنا کی دکان جب تک ہمدرد دواخانہ میں شامل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک یہ اسی دکان پر نہاری کی دیگ تیار کرتے تھے، قدرت نے انھیں بے شمار دولت سے نوازا تھا۔ بال بچے پاکستان جا چکے تھے، یہ اکیلے اپنے رشتہ داروں میں پڑے ہوئے تھے۔

ان کے بارے میں مشہور تھا کہ کئی کئی وقت کا سڑا ہوا سالن کھاتے ہیں، جسم پر چند میلے کچیلے کپڑے رہتے تھے۔ اور رودگران میں ایک پنواڑی میر دئیے تھے ان کی دوکان سے یہ مفت کا پان کھاتے تھے۔ میر صاحب ان سے دل لگی کر کے پان کھلا دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ کہتے تھے۔ "ملک جی! میرے دسؔ ہزار روپئے کے پان اب تک کھا چکے ہو، میں سب وصول کرلوں گا۔"

ملک شامی کا شمار دلّی کے نامور کبوتر بازوں میں ہوتا تھا، ایک دفعہ انھوں نے اپنے فن کا کمال دکھایا کہ کئی سو پدڑیاں (مشہور ننھا سا پرندہ) پالیں اور انھیں کبوتروں کی طرح سدھایا اور ہلایا۔

لال کنویں پر لکڑی والے لالہ جی کی چھت خالی تھی، اس چھت پر انھوں نے

پدڑیوں کا جال بنا رکھا تھا اور وہیں وہ پدڑیاں اڑانے کا تماشہ دکھاتے تھے، اور سڑک پر بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔ پدڑیاں اڑاتے ہوئے ان کا فوٹو جے پور کے عجائب خانہ میں لگا ہوا ہے۔

ملک شامی کا جب انتقال ہوا تو ان کے بستر کے نیچے نوٹ ہی نوٹ بچھے ہوئے تھے، یہ صاحب جائیداد بھی تھے مگر ایسی دولت کس کام کی سب یار لوگ کھا گئے۔

جمال عبدالناصر کی تکفیر

حج بیت اللہ (۱۹۶۱ء) کے موقع پر مکہ معظمہ میں بعض امریکن حلقے مصری صدر جمال عبدالناصر کے خلاف کفر کے فتویٰ کی تشہیر کر رہے تھے کیونکہ صدر ناصر امریکہ کے دوست اسرائیل کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔

جمال ناصر کے بعض جذباتی خیالات کی آڑ لے کر ناصر کو مسلمانوں میں بدنام کرنیکی منظم سازش کا یہ ایک حصہ تھا۔

مکہ معظمہ کی دیواروں پر، جمال ناصر کفر کے نعرے جگہ جگہ تحریر تھے میں نے اس تکفیر بازی کے خلاف پریس میں ایک بیان دیا اور یہ کہا کہ ہندوستان کے حجاج کرام اس تکفیر بازی میں شریک نہیں ہیں۔

میرا یہ بیان ہندوستان آیا اور دلّی کے ایک مخالف اخبار نے اس کا اس انداز سے چرچا کیا کہ مولانا اخلاق صاحب کو ہندوستان نے اپنی طرف سے جمال ناصر کی حمایت کے لئے بھیجا تھا، کیونکہ جمال ناصر اور پنڈت نہرو کے درمیان گہری دوستی ہے۔

حالانکہ میرا حج بیت اللہ میرا ذاتی تھا اور ترکمان گیٹ کے جن ساتھیوں کے ساتھ میں گیا تھا ان کے علم میں تھا کہ میرے حج کے مصارف کا حکومت سے کوئی

تعلق نہیں تھا، ان رفقاء حج میں سے اس وقت حاجی محمد شفیع صاحب تاجر عطر ترکمان گیٹ حیات ہیں۔

اس غلط پروپیگنڈہ کے ساتھ کچھ لوگوں نے میری واپسی پر کالی جھنڈیوں سے استقبال کرنے کا پروگرام بھی بنایا اور اس کے جواب میں دلّی کانگریس کے کارکنوں نے بھی میرے استقبال کا پروگرام بنایا، مخالفین تصادم کے خوف سے پیچھے ہٹ گئے۔

مرزا عثمان آزاد (کوچہ پنڈت) نے لال کنویں پر شربت کی سبیل لگائی، اور میر مشتاق احمد صاحب صدر کانگریس نے حوض قاضی پر ایک بڑا استقبالیہ جلسہ کیا جسمیں دلّی کانگریس کے رہنماؤں نے میرا خیر مقدم کیا۔

میرواعظ کشمیر اور قومی تعصّب

شیخ محمد عبداللہ کے اہتمام میں جب سرینگر میں حضرت محدّث کشمیری مولانا سیّد انور شاہ صاحب کے علمی کارناموں پر ایک سیمنار منعقد ہوا تو اس موقع پر مولانا قاضی زین العابدین سجّاد میرٹھی مرحوم اور میں نے میرواعظ صاحب سے ملاقات کی۔

قاضی صاحب دینی تعلیمی بورڈ کے صدر تھے اور قاضی سجّاد حسین صاحب مرحوم اس کے سکریٹری تھے۔

قاضی صاحب اور میرا مشورہ ہوا کہ میرواعظ صاحب سے کشمیر میں دینی تعلیمی بورڈ کی شاخیں قائم کرنے کے بارے میں بات چیت کی جائے اور ان سے یہ کہا جائے کہ کشمیر میں دینی تعلیم کے مکاتب ومدارس کا نظام جماعت اسلامی چلا رہی ہے اور جماعت اسلامی کشمیری مسلمانوں کے صوفیانہ مذاق سے مختلف تصور رکھتی ہے ان مکاتب سے تعلیم حاصل کرنے والے بچے کشمیر کے عام دینی ماحول سے ٹکرائیں گے اور آپ کے لئے

ایک مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔

دینی تعلیمی بورڈ آپ کے مکاتب میں دار العلوم دیوبند اور دوسرے دینی مدارس کے تربیت یافتہ اساتذہ مقرر کرے گا اور آپ کے لئے کوئی مسئلہ مستقبل میں کھڑا نہیں ہوگا۔

لیکن میر واعظ صاحب کے حلق سے ہماری تجویز نیچے نہیں اتری، انھیں یہ زعم تھا کہ ان کی قائم کردہ انجمن نصرۃ الاسلام وادی میں دینی تعلیم و تربیت کا نظام چلانے میں تنہا کافی ہے

اس کا نتیجہ بعد میں سامنے آیا، آہستہ آہستہ میر واعظ صاحب کے قائم کردہ چند دینی مدارس جماعتِ اسلامی کی سرگرمیوں سے شکست کھا گئے اور چپہ چپہ پر جماعت اسلامی چھا گئی۔

اور آج کشمیر میں تشدد کی سیاست کا جو دور دورہ ہے وہ جماعت اسلامی کے انتہا پسندانہ تصوّرات ہی کی پیداوار ہے۔ میر واعظ ہوں یا مولانا مسعودی صاحب یہ اسی تشدد پسندی کی جارحیت کا شکار ہو کر شہید ہو گئے۔

دینی تعلیمی بورڈ جمعیۃ علماء ہند کی ایک ذیلی شاخ تھی جس نے پنجاب، ہریانہ راجستھان اور ہماچل پردیش کے متاثرہ علاقوں میں خاص طور پر دینی مکاتب قائم کئے اور سارے ملک میں دینی تعلیم کی تحریک چلائی۔

جمعیۃ علماء کا دینی تعلیمی نصاب سب سے پہلا دینی نصاب ہے جو مولانا محمد میاں صاحب نے ترتیب دیا اور اسے سارے ملک میں پھیلایا۔

پھر یہ شعبہ ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ اتر پردیش کے دائرہ تک دینی تعلیمی کونسل نے حاصل کر لی۔ مولانا علی میاں ندوی صاحب اس کونسل کے سرپرست ہیں۔

شیرِ کشمیرؒ اور محدّث کشمیریؒ

شیخ عبداللہ مرحوم کی طرف سے سری نگر میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے علمی کارناموں پر ایک سیمنار منعقد ہوا جس میں دیوبند کے تمام اکابر نے شرکت کی اور مختلف مقامات میں شاہ صاحب کے علمی کارناموں کا تعارف کرایا گیا۔

اس سیمنار میں شاہ صاحب کے شاگردوں (مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ) نے ایک تجویز کے ذریعہ شیخ عبداللہ کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر یونیورسٹی میں شاہ صاحب کے نام کی ایک چیر قائم کرے جس کے ماتحت شاہ صاحب کے حدیثی علوم پر تحقیقی کام کیا جائے، کیونکہ شاہ صاحب کشمیر کے ایک عظیم فرزند ہیں، ان کا کشمیر پر حق ہے۔

اس تجویز کو شیخؒ نے تسلیم کرلیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کے لئے کوشش کریں گے۔ سوال پیدا ہوا کہ اس کام پر شاہ صاحب کے کس فاضل شاگرد کو مقرر کیا جائے۔

ان علماء میں سے دو حضرات کے نام کی تحریک شروع ہوئی، ایک قاضی صاحب، دوسرے اکبر آبادی صاحب۔

ان دونوں نے اپنے طور پر اندر ہی اندر کوشش شروع کردی حضرت مفتی صاحب سے دونوں کے تعلقات تھے، دونوں ہی ان کے تالیفی ادارہ ندوۃ المصنفین سے متعلق تھے۔

میر واعظ مولوی فاروق صاحب نے شرکاء سیمنار کو کھانے پر مدعو کیا مقامی اور غیر مقامی دونوں طرف سے علماء اور مشائخ کا نمائندہ اجتماع ہوا، کھانے سے قبل اسلام پر اظہارِ خیال ہوا۔

پہلی تقریر اکبرآبادی صاحب کی ہوئی۔ کشمیر یونیورسٹی میں تقرر کا مسئلہ ذہنوں میں تھا۔ اکبرآبادی صاحب نے پورے دو گھنٹے جم کر تقریر کی موضوع تھا کہ "مغرب میں اسلام کی طرف رجوع اور اسلام کی اشاعت" حقیقت یہ ہے کہ مرحوم نے مغرب سے شائع ہونے والی جدید کتابوں اور علماء مغرب کے اسلام کے تئیں عقیدتمندانہ خیالات پر حوالوں کے ساتھ ایسی اہم تقریر کی کہ تمام حاضرین مسحور ہو گئے۔

مولانا اکبرآبادی کے بعد اب کسی تقریر کی ضرورت نہیں تھی مگر مفتی صاحب نے قاضی صاحب سے بھی گزارش کی کہ آپ بھی کچھ فرمائیں۔ یونیورسٹی میں تقرر کا مسئلہ ان کے ذہن میں تھا مگر قاضی صاحب تقریر کے میدان کے آدمی نہیں تھے

قاضی صاحب کھڑے ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کی ایک حدیثی تحقیق پر کچھ دیر بولے، مگر اکبرآبادی صاحب کا رنگ بیٹھ چکا تھا۔

شیخ عبداللہ ایک سیاسی گھاگھ تھے انھوں نے علماء کرام کو الگ الگ بلاکر ان دونوں کے بارے میں گفتگو کی، دونوں حضرات کے طرفداروں نے اپنے اپنے امیدواروں کے حق میں دلائل دیئے اور اس طرح شیخ نے اس مسئلہ کو اختلافات کے حوالہ کرکے ٹال دیا اور چلتے ہوئے یہ کہا کہ یہ مسئلہ اختلافات میں پڑ گیا ہے، میں مشورہ کرکے فیصلہ کروں گا۔

شیخ عبداللہ ختم ہوئے اور اس کے بعد خدا جانے کون کون کشمیر کا سلطان بنا۔ لیکن حضرت شاہ جیسے جلیل القدر اور بے مثال کشمیری عالم کے لئے نہ یونیورسٹی میں چیر قائم ہوئی اور نہ اس کشمیری عالم کے کارناموں کے تعارف کے لئے کوئی ادارہ کشمیر میں قائم ہوا۔

پرتاپ کے ایڈیٹر شری نریندر صاحب مسلم مجلس مشاورت نئی نئی قائم ہوئی

تھی اور اس میں صدر مجلس ڈاکٹر سیّد محمود صاحب کے ساتھ ملک گیر دوروں میں پنڈت سندر لال جیسے گاندھی بھگت ہندو رہنما شامل تھے۔

اس تحریک سے ملک کے اندر اعتماد اور اتحاد کی ایک نئی لہر پیدا ہوگئی تھی اسی سلسلہ میں کلدیپ نیّر صاحب نے اپنے مکان پر مسلم صحافیوں کے ساتھ شری نریندر جی کو باہمی بات چیت کرنے اور آپس کی غلط فہمیاں دُور کرنیکی غرض سے بلایا تھا۔

مسلم صحافیوں کا وفد مفتی عتیق الرّحمٰن صاحب نے مقرر کیا اور اس میں مجھے بھی شامل کر دیا مفتی صاحب نائب صدر تھے۔

اس میٹنگ میں "دعوت" کے ایڈیٹر محمد مسلم مرحوم بھی تھے، مولانا فارقلیط نے اپنی جگہ ناز انصاری مرحوم کو بھیجدیا۔ میٹنگ میں گفتگو شروع ہوئی اور نیّر صاحب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات نریندر صاحب کی غلط فہمیوں کو دور کر دیں تاکہ ان کے قلم سے آپ کو جو شکایت ہے وہ آئندہ نہ ہو۔

نریندر صاحب نے یہاں سے بات شروع کی کہ مولانا مودودی صاحب یہ لکھتے ہیں اور ان کی جماعت کا بنیادی نظریہ ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کے وفادار نہیں ہوسکتے، پھر ہندوستانی مسلمانوں پر کیسے اعتماد کیا جاتا ہے؟

مولانا مسلم اور دوسرے مسلم ایڈیٹر مختلف جوابات دیتے رہے، میں نے ناز صاحب سے اجازت لی کہ وہ اپنا حق مجھے دے دیں اور میں اس کا جواب دوں وہ راضی ہوگئے۔

میں نے جواب دیا کہ مودودی صاحب کا جو نظریہ ہے، اس سے قطع نظر کہ وہ اسلام کی صحیح ترجمانی ہے یا نہیں، لیکن میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ جہاں تک ہندوستانی حکومت کا سوال ہے ہم مسلمان ہندوستانی حکومت کو غیر مسلم حکومت قرار نہیں دے سکتے، یہ قومی حکومت ہے اور اس میں، ہم مسلمانوں کا برابر کا حصّہ ہے ہم مسلمان

ہندوستانی حکومت کے حصہ دار ہیں شریک کار ہیں، اس آزاد حکومت کے جنم داتاؤں میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی ہیں۔ گاندھی اور نہرو کے ساتھ مولانا آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی بھی ہیں۔

مودودی صاحب کے نظریہ سے اگر اتفاق بھی کر لیا جائے تو اس کا اطلاق ہندوستان کی جمہوری حکومت پر نہیں ہوتا۔

نیّر صاحب نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور نریندر صاحب کو مخاطب کر کے کہا، سنئے! یہ مولانا صاحب کیا جواب دے رہے ہیں۔

بحث ختم ہو گئی تھی، نیّر صاحب نے آواز دی، چائے لاؤ۔ ہم سب چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

ہندوستان کے مسلم سفیر کا منیٰ میں شیو بنانا

۱۹۶۱ء میں اس ناچیز نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اسی سال دلی کارپوریشن کے انتخابات میں کوچہ پنڈت اور لال کنویں کے علاقہ سے کانگریس ٹکٹ پر میں نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی۔

حج سے واپس آکر میں نے مکہ معظمہ میں ہندوستانی حجاج کی چند شکایات جو انھیں ہندوستانی سفارتخانہ کی لاپرواہی سے پیدا ہوئیں پنڈت نہرو وزیر اعظم کو لکھ کر بھیجیں، پنڈت جی نے مجھے دفتر میں بلا لیا، مرزا محمد عثمان آزاد صاحب میرے ساتھ تھے پنڈت جی تشریف لائے، ان کے سکریٹری بدر الدین طیب جی ان کے پیچھے پیچھے تھے اور ان کے ہاتھ میں حج کا فائل تھا۔

پنڈت جی نے ان شکایات پر گفتگو شروع کی اور طیب جی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آئندہ یہ شکایات پیدا نہ ہوں۔

ان شکایتوں میں ایک شکایت یہ تھی کہ ہندوستانی سفیر مرزا مسعود بیگ صاحب منیٰ کے قیام کے دوران اپنے سرکاری خیمہ کے اندر شیو بناتے ہیں۔ اور ہندوستانی حجاج جب ان سے ملنے جاتے ہیں اور سفیر صاحب کا یہ عمل دیکھتے ہیں تو وہ بُرا بھلا کہتے ہیں کیوں کہ یہ حج کی روایات کے خلاف ہے اگر سفیر صاحب حالت احرام میں نہ ہوں تب بھی انھیں احترام کے طور پر ڈاڑھی مونڈنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

اس شکایت پر پنڈت جی پہلے مُسکرائے اور پھر بولے۔ مرزا صاحب سے ڈاڑھی رکھنے کی درخواست ہی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہ تو ان کا ذاتی معاملہ ہے سرکاری معاملہ نہیں۔ مرزا مسعود صاحب مولانا آزاد علیہ الرحمہ کے پرسنل سکریٹری رہ چکے تھے انھیں اس شکایت کا علم ہوا اور انھوں نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے اسکا تذکرہ کیا۔

کچھ دنوں کے بعد ایک پارٹی میں میں نے دیکھا کہ مولانا مرحوم مرزا صاحب کے ساتھ میری طرف چلے آرہے ہیں۔

قریب آکر مولانا نے فرمایا، یہ ہیں وہ ہمارے ساتھی مولانا اخلاق صاحب جنھوں نے آپ کی شکایت کی تھی، میں نے کھڑے ہوکر مرزا صاحب سے ہاتھ ملایا، مرحوم نے مُسکرا کر کہا، مولانا! آپ کی ہمدردی کا شکریہ، آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں ڈاڑھی رکھ لوں۔

چند یادگار خواب

خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سچے خواب کی نوعیت ہے۔ خوابوں کی ایک قسم خیالی خواب (اضغاث احلام) ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

اس ناچیز نے بعض خاص خاص حالات و تاثرات میں چند خواب دیکھے ہیں جن کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

Names and Addresses of Scholars Receiving Presidential Award of

Anusandhan Sansthan Parisar

सत्यमेव जयते

MAULANA AKHLAQ HUSAIN QASEMI

Born on 18th January, 1924 at Delhi, obtained 'Fazil-i-Darul-Ulum Deoband' the highest degree from Darul Ulum, Deoband, Uttar Pradesh. Worked as Rector of Jamia Rahimia, New Delhi and Professor of Thafsir. He has to his credit twenty books published in Urdu, English and Hindi on subjects concerning Islamic Studies and topics of general nature. Published about 150 descriptive and research articles on various aspects of Quaran and Islamic Sciences. Associated with two Academic and Cultural Bodies. Participated in National and International conferences/seminars and contributed research papers.

(۱) حضرت امام حسنؓ کی زیارت

یکم دسمبر ۱۹۸۹ء کو ترلوک پوری دہلی کے ایک جلسہ سیرت النبی میں حضرت فاطمہ زہراؓ کا ذکر پاک آیا۔ رات کو خواب میں حضرت امام حسنؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پہلے ایک تصویر سامنے آئی۔ یہ ایک نہایت خوب صورت اور بھاری بھر کم شخص کی تصویر تھی۔ بتایا گیا کہ حضرت امام حسنؓ کی تصویر ہے۔ میں بے ساختہ اسے چومنے لگا۔ پھر اس تصویر کے مطابق ایک ہستی نمودار ہوئی۔ اس ہستی کو کچھ لوگ زبردستی اٹھا کر لے جانے لگے۔ میں اس مظلومیت سے بے حد متاثر ہوا اور زار و قطار رونے لگا۔ (تحریر ہفتہ ۲ دسمبر ۱۹۸۹ء)

تعبیر خواب ظاہر ہے۔ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ کے ساتھ حضرت امام حسنؓ کی صلح پسندی اور پھر شہادتِ خفی (زہر خورانی) کے واقعہ کو بھی اہمیت کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ اس خواب میں اس کی تائید ہے۔

(۲) حضرت محبوب الٰہی کی زیارت

مشائخ چشت کے ملفوظات میں فوائد الفواد روحانی تاثیر کے لحاظ سے بڑی کامیاب کتاب ہے۔ اس میں حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کو آپ کے مرید خاص خواجہ حسن علاؒ نے ترتیب دیا ہے۔ ۸ نومبر ۱۹۸۴ء کو فوائد الفواد کا اردو ترجمہ پڑھ کر سویا۔ قلب پر کافی اثر رہا۔ چنانچہ بوقت صبح قبل اذان فجر یہ خواب دیکھا کہ حضرت سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ ایک دیہاتی جھونپڑی میں ایک نہایت پر فضا مقام پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کی شخصیت نہایت پر کشش تھی۔ واقعی محبوبیت طاری تھی۔ کافی دیر تک حضرت کے پاس

حاضری رہی۔ حضرت نے ایک پیالہ عطا فرمایا، جس میں سے پہلے خود نوش فرمایا۔
پھر اس ناچیز نے اسے منہ سے لگایا اور خالی کر دیا۔

استاد مکرم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے متعلق آتا ہے کہ ایک روز بیماری کے ایام میں مولانا محمد یوسف صاحب حضرت جی نظام الدین اولیاء سے آپ کی عیادت کے لئے آئے مولانا نے پوچھا، کہاں سے آ رہے ہو؟ مولانا نے فرمایا، نظام الدین سے۔ حضرت مدنی نے کہا، ہاں، مولانا! لوگ پہلے یہ کہتے تھے کہ حضرت محبوب الٰہی سے آیا ہوں۔ پھر یہ کہا جانے لگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے آیا ہوں۔ اور اب یہاں آ گئے کہ صرف یہ کہتے ہیں کہ نظام الدین سے آیا ہوں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے معذرت کی۔
تبلیغی جماعت کے رہنما حضرات اولیاء کرام کے نام بڑی عزت سے لیتے ہیں۔
اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب نے جلدی میں مختصر کر کے نام لیا۔
حضرت مدنی نے ایک مشفق مربی کی حیثیت سے اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔

(۳) مولانا مدنیؒ، مولانا سندھیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد میاںؒ کی زیارت

یہ اس دور کا واقعہ ہے جب یہ خاکسار حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی تقویت الایمان کے دفاع میں "شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ناقد" نامی کتاب لکھ رہا تھا۔ یہ کتاب جواب ہے مولانا ابوالحسن صاحب زید فاروقی کی کتاب کا، جس میں شاہ صاحب قبلہ نے نہایت کمزور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مولانا شہید کی یہ کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور خان عبدالغفار خاں صاحب

کتاب التوحید کا چربہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس تنقیدی کتاب میں علمی اور تحقیقی انداز چھوڑ کر کئی مقام پر حضرت شہیدؒ کی شخصیت کو گرانے کی قابل مذمت کوشش کی ہے۔

اس دور میں ۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء مطابق ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ کو یہ خواب دیکھا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے درمیان بیٹھا ہوں اور ہم سب دعاء کر رہے ہیں۔ دعاء کرتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دعاء ختم ہو گئی۔ یہ واقعہ مسجد فتحپوری میں پیش آیا۔ دعاء کے بعد میں مسجد فتحپوری سے باہر آنے لگا۔ اس وقت خیال آیا کہ میں نے حضرت مدنی سے مصافحہ کیوں نہیں کیا؟ یہ خیال آتے ہی حضرت مدنی پھر نمودار ہو گئے۔ مولانا کھادی کی بادامی رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ مولانا نے اپنا کرتہ اتار کر اندر سے صدری نکالی اور مجھے حکم دیا کہ اس میں روئی بھروا دو۔ وہ صدری سبز رنگ کی ساٹن کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آدھ سیر روئی بھروا دوں؟ اور مولانا اسعد میاں کی طرف دیکھ کر کہا کہ گھر میں نگندے پڑ جائیں گے یا نگندے بھی ڈلوادوں؟ مولانا مدنی نے فرمایا کہ ہاں، نگندے بھی ڈلوا دینا۔

میری آنکھ کھل گئی اور اس خواب کے تاثرات مجھ پر اتنے گہرے طاری ہوئے کہ میں کافی دیر تک روتا رہا۔ اور اس کی تعبیر اس وقت میرے دل میں یہ آئی کہ مولانا مدنی نے میرے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران مجھے مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا محمد میاں صاحب کی زیارت بھی ہوتی رہی۔ مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب ''مولانا محمد اسماعیل اور تقویت الایمان'' میں روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس مسئلہ میں جو مسلک

امام ابن تیمیہؒ کا ہے وہی مولانا شہیدؒ کا ہے۔

اس ناچیز نے ایک باب میں زید میاں صاحب کے اس غیر مدلل اور محض قیاسی دعویٰ کی یہ دلائل تردید کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت شہید اس اہم مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ ہیں۔

اسی باب کی ترتیب سے مولانا مدنیؒ کی روح مبارک کو خوشی حاصل ہوئی۔کیونکہ ہمارے اکابر دیوبند روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بالقصد اور بالارادہ زیارت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔امام ابن تیمیہ کا مسلک اس سے مختلف ہے۔

حضرت مدنیؒ کا روحانی فیض عام

اس ناچیز نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کی لیکن دارالعلوم سے فراغت کے بعد جماعتی مصروفیتوں اور گھریلو پریشانیوں کے سبب حضرت سے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل کرنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ حضرت مدنیؒ جب دہلی تشریف لاتے تو دفتر جمعیۃ علماء ہند میں قیام کے دوران بھی حضرت سے تقرب نہ ہوتا بلکہ مصافحہ کرکے میں ادھر ادھر ہوجاتا کیونکہ میرے دل پر حضرت کی روحانی ہیبت قائم تھی۔مولاناؒ کی ذات گرامی میں محبوبیت تھی، پیار تھا، شفقت تھی۔لیکن دارالعلوم کے قیام میں درس حدیث کے دوران ایک استاد کی جو ہیبت دل پر قائم ہوتی ہے وہ آخروقت تک میرے دل پر قائم رہی۔میں اپنے وجود کو ایک گناہ گار وجود سمجھ کر حضرت کے سامنے ہونے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔بخاری شریف کا درس آخر سال کافی رات تک ہوتا تھا اور میں نیند کا بہت کچا تھا۔درس میں جب نیند غالب ہوجاتی تو درس گاہ میں اونگھنے

کے بجائے باہر آکر کسی ٹوٹے ہوئے جھوٹے پر پڑ جاتا۔

پھر سبق ختم ہونے اور حضرت کے ادھر سے گذرنے کا خوف سوار ہوجاتا آنکھیں ملتا ہوا درس گاہ میں پیچھے کی قطار میں بیٹھ جاتا۔ لیکن اس کمزور ظاہری تعلق کے باوجود میں حضرت مدنیؒ کے روحانی تصرف کے واقعات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ زندگی میں کوئی سخت واقعہ ایسا نہیں آیا جس میں حضرت مدنیؒ کی خواب میں زیارت نہ ہوئی ہو اور اس زیارت سے قلب نے قوت محسوس نہ کی ہو۔

ایک موقع پر دیکھا کہ مولانا مدنیؒ مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ اور قاری فضل الرحمٰن صاحب (امروہہ) کے ہمراہ کشمیر تشریف لے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ (مولانا) اسعد کشمیر گیا ہے۔ میرے علم میں بھی نہیں تھا کہ مولانا اسعد صاحب کشمیر گئے ہیں۔ خواب دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ مولانا صاحب قومی یکجہتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے سری نگر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ اولاد سے ماںتا کا فطری تعلق تھا۔

ایک بڑے فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر دیکھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک فل بوٹ (جو مولانا سردیوں میں پہنا کرتے تھے) اور فوجی لباس پہنے ہوئے کہیں جانے کی تیاری فرما رہے ہیں۔ صبح کو معلوم ہوا کہ اس فساد زدہ علاقہ کا دورہ کرنے کے لئے مولانا اسعد میاں صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔

مولانا انظار الدین صاحب۔ دارالعلوم دیوبند میں میرے ساتھ مولانا انظار الدین صاحب دہلوی بھی تھے۔ ان کا حضرت مدنیؒ کے ساتھ روحانی ذکر و اذکار میں مراسلت کا باقاعدہ تعلق قائم تھا۔ مولانا انظار صاحب ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کر کے کراچی چلے گئے اور وہاں کے حوادث کی تاب

نہ لاکر دماغی توازن کھو بیٹھے۔ میں جب پہلی بار کراچی گیا تو ان کی عجیب کیفیت دیکھی۔ جوش میں آکر یہ کہتے تھے۔ " لیاقت علی خاں سے کہو کہ وہ کرسی چھوڑ دے۔ حضرت مدنیؒ آکر پاکستان کو سنبھالیں گے۔" میں نے واپس آکر حضرت مدنی سے ان کی حالت بیان کی۔ فرمایا، "انھیں دہلی بلالو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

افسوس! ان کے والدین نے مولانا کو دہلی نہ بھیجا اور ایک ہونہار فاضل زندگی بھر کے لئے بے کار ہو گیا۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ خاموش رہتے ہیں اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ انظار الدین صاحب کی دماغی تکلیف کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھوں نے آرام باغ میں جو مسجد تعمیر کرائی اس میں امامت اور خطابت تو وہ خود کرتے تھے مگر انھوں نے بڑی بھاری غلطی یہ کی اپنے استاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو دعوت دے کر مسجد میں دارالافتاء قائم کرایا۔ مفتی صاحب کے ایک داماد صاحب بڑے حضرت تھے۔ انھوں نے مسجد میں قدم جما کر انظار الدین صاحب کے خلاف مورچہ لگا دیا اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ تعلق کی بناء پر ان کے کانگریسی ہونے کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس صدمہ کو انظار صاحب برداشت نہ کر سکے اور پاگل ہو گئے۔

(۴) حضرت تھانویؒ کی زیارت

اس ناچیز نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا دور پایا، لیکن ان کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ دارالعلوم میں میرا تعلق حضرت مدنیؒ کے حلقہ سے تھا۔ میرا قیام پہلے سال مولانا سلطان الحق صاحبؒ بجنوری کے مکان پر رہا۔ دوسرے سال میں اور مولانا انظار الدین اور ان کے تین بھائی (حکیم نوار الدین صاحب طبیب کراچی وغیرہ) دارالعلوم کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں

منتقل ہو گئے۔ مولانا سلطان الحقؒ صاحب بجنوری گروپ کے لیڈر تھے اور سیاسی اعتبار سے سخت کانگریسی تھے۔ مولانا مدنیؒ اور مولانا تھانویؒ دونوں بزرگ سیاسی نظریات میں اختلاف رکھنے کے باوجود آپس میں انتہائی مخلص تھے مگر نیچے کے لوگ اس اختلاف کو بہت ہوا دیتے تھے اور یہ دونوں طرف سے تھا۔ اس شدت کی وجہ سے مجھے مولانا تھانوی کی زیارت کا موقع نہیں ملا، جس کا مجھے زندگی بھر قلق رہے گا۔

ایک روز درس تفسیر میں سورۂ نساء کی آیت ۱۷ زیر بحث تھی۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ ۝

توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی توبہ کر لیتے ہیں۔

مترجم حضرات نے عام طور پر جہالت کا ترجمہ نادانی (عدم علم) کیا ہے اور حضرت تھانوی نے جہالت کا ترجمہ حماقت (سفاہت) کیا ہے جس سے آیت کا مفہوم بغیر کسی اشکال کے واضح ہو جاتا ہے۔ اسی دن رات کو (۲۴ جنوری ۱۹۹۰ء) مولانا تھانوی خواب میں تشریف لائے۔ میں نے مصافحہ کے ساتھ مولانا کے ہاتھ چومنے کا ارادہ کیا اور اپنا سر جھکایا۔ مولانا نے اپنا ہاتھ کھینچنے کے لئے اپنا سر جھکایا اور مولانا کی سفید گھنی ڈاڑھی ان کے ہاتھ پر پڑ گئی اور میں نے ہاتھ کے بجائے مولانا کی نورانی ڈاڑھی کا بوسہ لے لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی زیارت

جس زمانہ میں یہ ناچیز حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے

چھوٹے مگر سب سے زیادہ صاحب نسبت صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن (موضح قرآن) پر تحقیقی کام کر رہا تھا اس دور میں اس ناکارۂ خلق کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔

شاہ صاحب صاحبِ فراش تھے اور بے انتہا کمزور و لاغر نظر آرہے تھے۔

اس ناچیز نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ شاہ صاحب کو اپنے صاحبزادے کا یہ نادر و بے مثال ترجمہ بے حد پسند ہے اور اہل مطابع اور اہل علم کی بے توجہی سے اس ترجمہ و فوائد میں جو کتابتی اغلاط اور فوائد میں بعض جگہ اہل باطل کی تحریفات واقع ہوگئی ہیں ان کا صدمہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس ناچیز سے اس ترجمہ کی تصحیح و تحقیق کا کام لینا چاہتا ہے۔

الحمدللہ ان بزرگوں کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے اس خاندان کے تفسیری علوم کی تشریح و تحقیق پر اس بندہ سے دو عظیم کام لیے اور اسی کے ساتھ اس خاندان کے چشم و چراغ حضرت شاہ شہیدؒ (بقول مولانا آزاد، سلطانِ وقت) کے دفاع میں ایک کتاب تحریر کرائی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص شاہ ولی اللہؒ کو ان کی اولاد کی طرف سے وصال کے وقت جو تسلی عطا فرمائی اس تسلی سے اس خادمِ خاندانِ ولی اللّٰہی کو بھی نوازے

شاہ صاحب کو وصال کے وقت اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال آگیا اور اضطراب کے عالم میں آپ کے منہ سے نکلا۔ ''الٰہی! میرے یہ چھوٹے بچے؟'' ندا آئی، ''ولی اللہ! یہ بچے تیرے یا میرے؟''

شاہ صاحب متنبہ ہوئے اور فرمایا، ''الٰہی میرے نہیں، تیرے۔''

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

ابا اور اماں کی زیارت

یوں تو اپنے ان دونوں مربیوں کو مختلف اوقات میں خواب کے

اندر دیکھا، لیکن ایک دن بڑی عجیب شان میں دونوں کی زیارت ہوئی۔

دیکھا کہ ابا مرحوم (آکا شرف الدین خاں مرحوم) ایک بلند مقام پر بیٹھے ہیں اور روزہ افطاری کی پلیٹ ان کے سامنے رکھی ہے، جیسے وقتِ افطار کا انتظار کر رہے ہوں۔

ابا مرحوم رمضان المبارک کے تیسوں روزے بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔ دہلی کے کارخانہ دارانہ ماحول کی زندہ دلی مشہور رہی ہے، لیکن میں نے ابا مرحوم اور ان کی پارٹی کو دیکھا کہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی ان حضرات کے اندر روزہ نماز اور تراویح کا اتنا اہتمام ہونے لگتا تھا جتنا ایک خانقاہی صوفی اور ایک شب زندہ دار عابد کے اندر ہونا چاہیئے۔

اماں مرحومہ (محمدی بیگمؒ) کی طرف سے ایک دن کچھ وہم دل میں پیدا ہوا۔ اسی دن رات کو دیکھا کہ مرحومہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہی ہیں۔

مرحومہ ایک نومسلم خاتون تھیں (آکا جان نے انھیں مسلمان کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا) اور بالکل ان پڑھ تھیں مگر مرحومہ نے جس تندہی اور توجہ سے مجھے قرآن کریم حفظ کرایا اسے میں مرحومہ پر توفیق خداوندی کا سایہ ہی کہہ سکتا ہوں۔ اسی محنت کا نتیجہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ مرحومہ تلاوت قرآن کریم کر رہی ہیں۔

فراغت کے بعد جب میں نے وعظ کہنا شروع کیا تو اماں مرحومہ میرے لئے دودھ جلیبیوں کا پیالہ تیار رکھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلویؒ (ان کی دوسری اہلیہ میری پھوپی تھیں۔) جب وعظ کہہ کر گھر آتے تھے تو میں نے دیکھا ہے کہ دودھ جلیبیوں کا بھرا ہوا پیالہ ان کے لئے تیار رہتا تھا اور مولانا اسے استعمال کرتے تھے۔

خداوند عالم کی رحمت و بخشش سے پوری امید ہے کہ وہ ان دونوں

بزرگوں کو اس گناہ گار کی دینی خدمات کے اجر و ثواب میں ضرور شریک فرمائے گا۔
اور اس ناچیز کی دینی خدمات (جیسی کچھ بھی ہیں) مرحومین کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی۔ اور ان دونوں محسنوں کے ساتھ اس خاکسار کے حقیقی والدین بھی خدا کے فضل و کرم کے سہارے شریکِ حسنات ہوں گے۔

پہلی اہلیہ مرحومہ

میری پہلی اہلیہ (بتول خانمؒ والدہ شریف حسین اور فاطمہ بیگم) دہلی کے بڑے باپ کی لڑکی تھیں۔ آلہ نور خاں صاحب (جنگلی کنواں کوچہ پنڈت) دہلی کے بڑے کارخانہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ مرحوم کا تارکشی کا کارخانہ تھا۔
مرحومہ کی رفاقت بھی میرے لئے خداوند عالم کا خصوصی فضل و احسان تھا۔
اماں مرحومہ پرانی ساسوں کی طرح بڑی سخت گیر تھیں۔ اور ان کی سخت گیری سے گھر میں جو کل کل ہوتی تھی وہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی۔
اگر میری اہلیہ مرحومہ میں خدائے تعالیٰ صبر و قناعت کی بھرپور طاقت ودیعت نہ کرتا تو میری زندگی اجیرن ہو جاتی۔
۱۹۴۷ء کے خونیں واقعات و حالات نے مرحومہ کو ہم سے چھین لیا۔

دوسری اہلیہ

میری موجودہ اہلیہ نے بھی میری غربت کو برداشت کیا اور ہر حال میں شکر و قناعت کے ساتھ میرے بچوں کی پرورش کی۔ بچوں کی پرورش میں سگے سوتیلوں کا فرق محسوس نہ ہونے دیا اور ابا مرحوم کی آخر وقت میں ایسی خدمت کی کہ اگر ان کی بیوی مرحومہ بھی زندہ ہوتیں تو اس سے زیادہ خدمت نہ کرتیں۔

اور یہ ابا مرحوم پر نہیں، مجھ پر احسان کیا، ورنہ لوگ یہ کہتے کہ لے پالک تھا، خدمت نہ کی۔

ابا مرحوم کی دعائیں ہیں جو یہ اپنی اولاد کی بہار دیکھ رہی ہیں۔

میرے محسن

مولانا احمد سعید صاحبؒ

مولانا مرحوم کٹرہ ہڈو کی مسجد سے ترجمہ ختم کر کے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر گلی قاسم جان جایا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا دُکان کے آگے سے گذرے۔ میں بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا مجھے دیکھ کر ٹھہر گئے اور بولے، خلیفہ جی! اب یہ لڑکا کیا کر رہا ہے؟ ابا بولے، قرآن شریف ختم کرا کے اسکول میں بٹھا دیا ہے۔ مولانا نے فرمایا، اچھا نواب تم اسے عربی تعلیم کے لئے فتحپوری میں داخل کر دو۔ ابا نے فرمایا، بہت اچھا، کل ہی لیجئے۔

وہ کتنا مبارک وقت تھا۔ ابا دوسرے دن صبح ہی مجھے ساتھ لے کر فتحپوری پہنچے۔

مسجد فتحپوری کے جنوبی دالان میں مفتی مظہر اللہ صاحبؒ کے بڑے لڑکے مولانا محمد مظفر صاحبؒ چند لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ انھوں نے ہمارے ابا کو بلالیا اور بولے، اسے میرے پاس بٹھا دو، میں پڑھا دوں گا۔ دہلی میں اس وقت دیوبندی بریلوی جھگڑے شباب پر تھے۔ مگر ابا مرحوم اس لائن کے آدمی نہیں تھے۔ واپس آکر ابا نے ہمارے نانا سید نواب علی جوہریؒ سے کہا، میر صاحب! کل سے یہ لڑکا امام صاحب کے پاس پڑھا کرے گا۔ انھوں

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی کی ایک یادگاری تصویر۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی برسی (۱۹۵۹ء) کے موقع پر ایک تقریب میں آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد اور اس وقت کی دلی کی میئر آنجہانی مسز ارونا آصف علی بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

سید الملت مولانا سید محمد میاں مراد آبادیؒ

نے وعدہ کرلیا ہے۔ نانا مرحوم سمجھتے تھے اور دیوبندی خیال کے بڑے سخت آدمی تھے۔ وہ فوراً بھڑک کر بولے، نہیں، امام صاحب کے پاس نہیں، اسے سامنے والے دالان میں بٹھاتا۔ وہ باقاعدہ مدرسہ ہے۔

پھر میں نے مدرسہ عالیہ فتحپوری میں چھ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ تقریر کی مشق کا سلسلہ بھی مدرسہ عالیہ میں شروع ہوا۔ میری زبان میں قدرتی طور پر کچھ لکنت تھی اور یہ لکنت مجھے تراویح کے اندر قرآن پڑھتے میں بڑا پریشان کرتی تھی۔ ابا مرحوم نے جب مجھے مولوی عالم کی لائن میں ڈالا تو مجھے اس کا بڑا فکر ہوا کہ میری زبان تو صاف نہیں ہے۔ میں مولوی بننے کے بعد وعظ وتقریر کا کام کیسے کروں گا؟ لیکن اسے قرآن کریم کی کھلی برکت ہی کہا جا سکتا ہے کہ میری زبان سے وہ لکنت آہستہ آہستہ دور ہوگئی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں خدا کی خاص دین تھے۔ شروع دن سے میرا تعلق جمعیۃ علماء اور مجلس احرار کی سرگرمیوں سے رہا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں باوجود پہلی اہلیہ کی جدائی کے صدمہ اور بیماری کے مجاہد ملت کے ساتھ امدادی کاموں میں وقت دیتا رہا اور مولانا نے مجھے گذراوقات کے لئے وقف بورڈ میں لگوادیا۔

مجاہد ملت بظاہر ایک مسلم لیڈر اور عالم دین تھے لیکن قدرت نے مرحوم کے اندر اخلاص، ہمدردی اور خودداری کی وہ صفات پیدا کی تھیں جو ایک درویش ربانی میں ہوتی ہیں۔ اور اس ناچیز نے تو اپنی پریشانیوں میں مرحوم کو ایک مشفق باپ کی طرح پایا، ورنہ دہلی کی بربادی کے قیامت خیز ہنگاموں اور اقتصادی

مشکلات میں مجھ جیسے کمزور آدمی کا استقامت اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔

مرحوم نے ۱۹۴۷ء کی برباد شدہ دہلی میں میری پریشانیوں کو دیکھ کر مجھے دہلی وقف بورڈ کے دینی شعبہ میں ملازم رکھوا دیا۔ مرحوم، بورڈ کے صدر تھے۔ بورڈ کے عملہ پر سختی کرنے کی غرض سے جب ایک ریٹائرڈ مجسٹریٹ (محمد اشفاق صاحب علی گڑھ) کو بطور سکریٹری مقرر کیا گیا تو اس سختی کا اثر مجھ پر بھی پڑا۔ مولانا مرحوم نے میری پریشانی کو محسوس کر کے مجھے مدرسہ حسین بخش میں مدرس کے طور پر مقرر کرا دیا۔ مدرسہ کمیٹی کے صدر مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند تھے۔

مولانا مرحوم نے ہندوستان کے بڑے بڑے جلسوں اور جمعیۃ کانفرسوں میں مجھے تقریر کرنے کا موقع دے کر میری حوصلہ افزائی کی۔

مولانا مرحوم کے وہ آنسو مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے کہ جب مولانا کینسر کا علاج کرا کر امریکہ سے واپس آئے تو میں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مولانا سے ملنے گیا۔ اس وقت مولانا جیسے باحوصلہ اور شیر دل انسان پر صحت کی طرف سے مایوسی طاری ہو چکی تھی۔

مولانا نے اپنے سفر امریکہ کے حالات سنانے شروع کر دیئے۔ مولانا کے داماد عزیز الرحمٰن صاحب آ گئے اور بولے، آپ کو ڈاکٹر نے بولنے سے منع کر دیا ہے۔ فرمایا، یہ میری زندگی کے ساتھی ہیں، میں ان کو نہ سناؤں تو کس کو سناؤں۔ یہ فرماتے ہوئے مرحوم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس شہید ملت سے یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔

مولانا محمد میاں صاحب مرادآبادیؒ

مولانا مرحوم کو مولانا احمد سعید صاحبؒ جمعیۃ علماء کا ذوالنون مصری

(مشہور درویش) کہا کرتے تھے۔ مولانا جمعیۃ علماء ہند کے ناظم تھے اور دینی تعلیمی مکاتب کے انچارج تھے۔

میوات، ہماچل پردیش اور مشرقی پنجاب میں قائم دینی مکاتب کے دوروں میں مرحوم مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ مولانا کو کثرت تحریر کی وجہ سے ان کے احباب حیوان کاتب کہتے تھے۔ مرحوم تقریر بہت کم کرتے تھے، اس لئے تقریر و وعظ کی ضرورت میں پوری کرتا تھا۔

مضمون نگاری میں بھی مولانا میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ الجمعیۃ اخبار میں میرا کوئی مضمون شائع ہوتا تو مولانا اسے پڑھتے اور پھر میری ہمت افزائی کے لئے اس کی تعریف کرتے۔

مدرسہ حسین بخش میں ایک نیا مدرس سمجھ کر اس وقت کے شیخ الحدیث مولانا منظاہر امام بہاری صاحب کے لڑکے طلبہ کو بھڑکاتے اور انھیں اعتراضات سکھا کر مجھے پریشان کراتے۔ میں نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے شکایت کی۔ مولانا نے مولانا محمد میاں صاحب سے خفا ہو کر کہا کہ اگر تم نے اسے وہاں رکھا ہے تو اس کا خیال بھی رکھو۔

دوسرے دن مولانا محمد میاں صاحب مدرسہ میں تشریف لے آئے اور جلالین شریف کے طلبہ کو بلا کر ان سے سوالات کئے۔ طلبہ گھبرا گئے۔ مولانا نے انھیں سخت سرزنش کی اور فرمایا، تمھیں خود کیا آتا ہے جو تم مدرس کو پریشان کرتے ہو؟

پھر مجھے پریشان نہیں کیا گیا۔

میرے ساتھی مفتی ضیاء الحق صاحب دہلوی جمعیۃ علماء دہلی کے صدر ہو گئے تھے۔ مرکزی دفتر میں بھی بطور نائب مفتی کے کام کرتے تھے۔

مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ

مفتی صاحب معاصرت کے جذبہ سے متاثر تھے اور مجھے ہر موقع پر کاٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ مجاہد ملت ان کی حرکتوں کو محسوس کرتے تھے۔ اور اپنی طرف سے میری اشک شوئی کرکے میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

پھر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ مفتی صاحب قبلہ کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ (جامعہ رحیمیہ) میں منصب اہتمام کو سنبھالنے کے لئے اسی ناچیز کو مجبور کیا گیا۔ حالانکہ مفتی صاحب اس کے بانی اور مہتمم تھے جو میرے سائے سے بھی گھبراتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے تذکرہ میں میں نے مفتی صاحب کے ہندوستان چھوڑنے پر دکھ کا اظہار کیا ہے اور انھیں دہلی کی رونق اور ضرورت قرار دے کر ان کی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔

تبلیغی اور دعوتی کتابچوں کی فی سبیل اللہ اشاعت کے کام میں دہلی کے جن اصحاب خیر نے مالی تعاون دیا ان کے اسمائے گرامی کی فہرست طویل ہے۔ میں ان سب حضرات کے حق میں دین اور دنیا کی بھلائی کی دعاء کرتا ہوں۔

آخر عمر میں جو میرا تھکتی کا دور ہے، جس صالح نوجوان کے تعاون سے اشاعت و دعوت کا سلسلہ جاری رہا (جس کا میری کمزوری کے سبب بند ہونے کا خطرہ تھا) وہ جناب شیخ محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ ہیں جو دہلی کی پنجابی برادری کے مشہور عارف باللہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب جاپان والے رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔

محمد نسیم صاحب خود بھی ایک صاحب مطالعہ و صاحب فکر دینی آدمی ہیں اور پھر علمی قدردانی کا جوہر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔

مدرسہ حسین بخش کے احباب

مدرسہ حسین بخش کے منبر وعظ کی حفاظت اور اس تاریخی منبر سے توحید و سنت کی اصلاحی دعوت کو جاری رکھنے میں اس ناچیز کو آخر عمر میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ چند حاسد علماء اور مسلم لیگی ذہن کے کچھ صاحبان میری آزادانہ اصلاحی خطابت سے خوش نہیں تھے۔

خاص طور پر جب شاہی امام صاحب جامع مسجد دہلی نے جامع مسجد جیسے سنی مرکز کو ایرانی سفارت خانہ کا اسٹیج بنا دیا اور کئی ماہ تک جامع مسجد میں سیاہ جھنڈے لگا کر اور خمینی صاحب کے فوٹو کی اشاعت اور ایرانی سفارت کاروں کی مسجد میں تقریریں کرا کر مسلمانوں کی جس طرح دل آزاری کی اور اپنی سیاسی اسٹنٹ بازی کا دیا وڈال کر جس طرح ملت اسلامیہ کی اس مقدس امانت کو ذاتی مفادات کے لئے نہایت گھٹیا طریقوں سے استعمال کیا، تب اس ناچیز نے جامع مسجد کے پہلو سے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اور میری آواز ان ہزاروں سنجیدہ مسلمانوں کی ترجمانی تھی، جو امام صاحب کے پروردہ شورش پسند گروہ سے خوف زدہ تھے۔

اس مخالفانہ فضاء میں جن مخلص احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ وہ نہ صرف شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ ان بزرگوں کی دعاؤں کے حقدار ہیں جو اس تاریخی منبر سے وابستہ رہے اور اس مدرسہ کو حق گوئی اور حق پرستانہ خطابت کے لئے شہرت دی۔

یہ مسجد دراصل "دارالارشاد والہدیٰ" کے نام سے تعمیر کی گئی تھی۔ دینی کتابوں کی تعلیم و تدریس اس مسجد میں بعد میں شروع ہوئی اور مدرسہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

مدرسہ کے ان احباب کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ عثمانی، مولانا سید محمد میاںؒ صاحب۔ حکیم شریف الدین صاحبؒ بقائی، حاجی سراج الدین اللہ والے (ممبران کمیٹی) جب خدا کو پیارے ہو گئے تو جناب حاجی محمد شفیع صاحب پیکارڈ واچ کمپنی چاندنی چوک نے ان حضرات کی صحیح نمائندگی کی اور اس ادارہ کے وقار کو قائم رکھنے کی جدو جہد قائم رکھی۔

ہر جمعہ کو مجلس وعظ میں شرکت کرنے اور حجرۂ مسجد میں کچھ دیر بیٹھنے والوں میں جناب حاجی محمد شفیع صاحب تاجر عطر و تیل ترکمان گیٹ، بھائی سید فضل صاحب مٹیا محل، حاجی محمد مرزا صاحب ترکمان گیٹ، بھائی عبداللہ صاحب مچھلی والے، بھائی ظہور صاحب گلی امام صاحب والی جامع مسجد، شوکت ہاشمی صاحب حویلی اعظم خاں، سید فیاض علی ہاشمی پہاڑی بھوجلہ، عبدالحمید صاحب تاجر عطر مرحوم، محمد اسماعیل صاحب غوری مرحوم، عبدالحکیم، محمد رضوان پسران و نبیرہ حاجی عبدالمجید صاحب چوڑی والان کے اسمائے گرامی قابل تذکرہ ہیں۔

درس تفسیر کا سلسلہ

میرا ذہن قرآن کریم کی خدمت میں وقت صرف کرنے کا تھا۔ اس لئے میں نے پہلی فرصت میں گھر کے قریب والی مسجد (لال مسجد) میں درس قرآن شروع کر دیا۔

اس سلسلہ کا افتتاح مولانا احمد سعید صاحب، مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کے ہاتھوں ہوا۔ یہ حضرات جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔
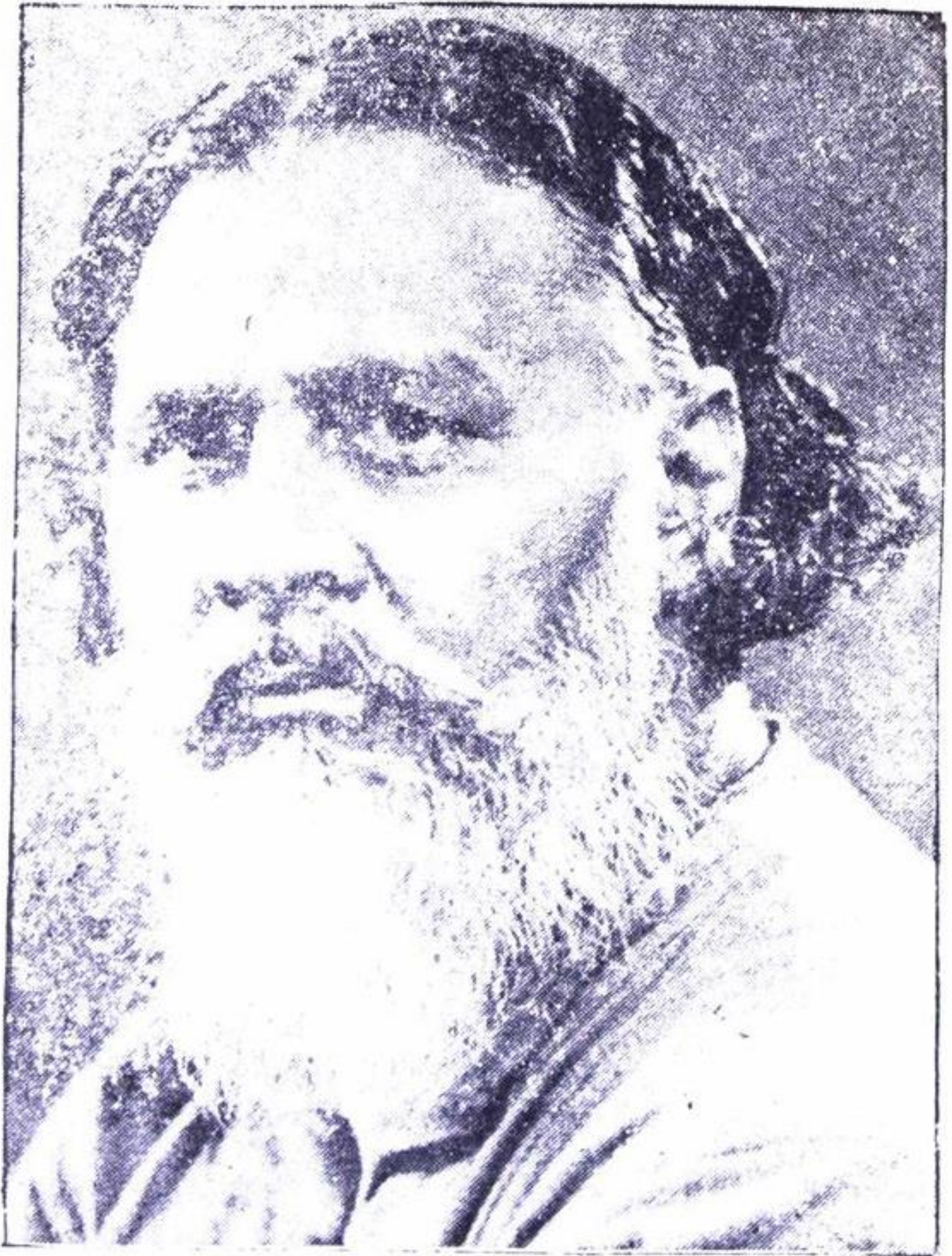
غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ترجمہ کی پہلی مجلس میں سننے والوں کی تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی تو صرف میرے نانا مرحوم اور ایک اور بزرگ (حاجی محمد اسحاق پراچہ) سامنے نظر آتے تھے۔

میں اپنا ترجمہ ختم کر کے مولانا احمد سعید صاحب کے حلقۂ درس میں شرکت کرتا تھا۔ مولانا مرحوم مسجد کٹرہ ہدو فراش خانہ میں بیان کرتے تھے اور دور سے آنے کی وجہ سے کچھ تاخیر کے ساتھ سلسلہ شروع کرتے تھے۔

ترجمہ و تفسیر بیان کرنے کا انداز اور قرآن کریم کو قرآن کریم کے ذریعہ سمجھنے اور سمجھانے کا انداز میں نے مولانا کے درس قرآن سے سیکھا۔ اس سلسلہ میں اصولی ہدایات مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے دورۂ تفسیر سے حاصل ہو چکی تھیں۔

عشاء کے بعد درس قرآن کے لئے میں نے مسجد کھجور والی تراہا بہرام خاں کا انتخاب کیا۔ اس سلسلہ کا افتتاح حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی کی مقدس تقریر سے ہوا۔ جمعیۃ علماء ہند کے مبلغ مولانا عبدالحنان صاحبؒ ہزاروی نے بھی اظہار خیال فرمایا۔ مولانا ہزاروی بالاکوٹ میں حضرت سید احمد صاحبؒ بریلوی کے احاطہ میں آرام فرما ہیں۔

رات کا سلسلہ اس وقت بند ہوا جب مجھ پر واپسی میں چاوڑی بازار کے اندر گلی بجرنگ بلی کے سامنے حملہ ہوا اور خدا تعالیٰ نے مجھے بال بال بچا لیا۔ اس گلی کے اندر نہ جانے کتنے شہیدوں کی لاشیں کسی کنویں میں آرام فرما ہیں۔

کوچہ نیچہ بندان (استاد داغ) کی مسجد میں سب سے پہلے مولانا سلطان محمود صاحب گجراتی صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری بیان کرتے تھے۔ اس محلہ میں میری پھوپی زاد بہن رہتی تھیں۔ اور شیخ شجاع الحق صاحب صدر مسلم لیگ،

شیخ سراج الحق صاحب گوٹے والے (میرے بہنوئی) اور ان کے بزرگ اس مسجد کے سربراہ تھے۔

ان حضرات نے مجھے لال مسجد سے بلا کر اس تاریخی مسجد میں بٹھا دیا اور پھر میں نے آٹھ دس سال اس مسجد میں تفسیر بیان کی۔

اسی عرصہ میں مسجد نواب قاسم جان (گلی قاسم جان) کا حلقۂ درس مولانا عبدالماجد صاحب دہلویؒ کی وفات سے خالی ہوگیا۔ یہ حلقۂ درس ہندوستان کا پہلا حلقہ تھا جو ۵۷ء کے بعد شروع ہوا۔ مولانا نواب ضمیر مرزا صاحب (لوہارو خاندان) نے یہ حلقہ شروع کیا تھا۔ نواب صاحب حضرت شیخ الہند کی تحریک (ریشمی رومال) کے ممبر تھے۔ حکومت نے نواب صاحب کی تقریروں سے بغاوت کا خطرہ محسوس کیا اور ترجمہ بند کرا دیا۔

نواب صاحب کے بعد بڑے بڑے اکابر نے یہاں ترجمہ بیان کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن راسخ، مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان۔ آخر میں مولانا عبدالماجد صاحب دہلوی۔

ترجمہ کمیٹی نے اس حلقہ کے لئے مجھے دعوت دی اور میں اس مسجد کی اہمیت کے پیش نظر یہاں آگیا۔ یہاں میں نے بارہ ۱۲ سال میں ترجمہ و تفسیر کا پہلا دور ختم کیا۔

آزادی کے بعد دہلی کا دوسرا میونسپل الیکشن ہوا۔ پہلے الیکشن میں لال کنواں اور فراش خانہ کے علاقہ سے سید محمد جعفری صاحب کو کامیاب کرایا گیا تھا۔ لیکن جعفری صاحب دور رہنے کی وجہ سے علاقہ کی خدمت نہ کرسکے۔ اور کانگریس کو بدنامی حاصل ہوئی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے دلی کانگریس کے صدر مسٹر برج موہن سے

میرے نام کی سفارش کی اور مجھے وقف بورڈ سے ہٹا کر الیکشن میں کھڑا کر دیا گیا اور میں کامیاب ہو گیا۔

یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ اسی سال میں نے حج بیت اللہ سے فراغت حاصل کی اور یہ میرا اپنا حج تھا۔ سرکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

حضرت لاہوریؒ کے جانشین کیطرف سے خلعت کا اعزاز

۱۹۸۴ء کے سفر پاکستان کے موقع پر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ نے احقر کو اور مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ کو (جو تنظیم اسلامی کے سیمینار میں میرے ساتھ مدعو تھے) کھانے پر مدعو فرمایا۔ مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی اس تقریب کا واسطہ تھے۔

مولانا عبید اللہ صاحبؒ نے محاسن موضح قرآن کی تالیف پر احقر کو مبارکباد دی اور اس کتاب میں جماعت ولی اللہی کی قرآنی خدمات پر جو جامع تبصرہ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت لاہوریؒ کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور احقر کو ایک عربی عباء، رومال اور ایک جوڑے کا کپڑا مرحمت فرمایا۔

اس ناچیز کے لئے استاد محترم کے جانشین کی طرف سے یہ اعزاز و اکرام (جس کا یہ قطعاً اہل نہیں ہے) انشاء اللہ آخرت کا بڑا بیش قیمت اثاثہ ثابت ہو گا۔

مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی ایک غیبی ہدیہ

مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی خطیب جامع شاہ جمال لاہور اس خاکسار

کے لئے پاکستان میں ایک غیبی تحفہ ثابت ہوتے ہیں۔

موصوف جماعت شیخ الہند کے عظیم مجاہدوں میں سے ہیں۔ تحریر، تقریر اور تحقیق کے ماہر ہیں۔ خدام الدین کے پرچہ کے ایڈیٹر اور مولانا عبید اللہ صاحب انور کے محبوب خادم رہے ہیں۔

دارالعلوم کے جشن صد سالہ کے موقع پر ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور پھر ایسا برادرانہ رشتہ قائم ہوا کہ آج تک اس میں استقامت اور خلوص چلا آرہا ہے۔ پاکستان میں راقم الحروف کا تعارف اس کی کتابوں کے ذریعہ مولانا ہی کا مرہون منت ہے۔

محاسن موضح قرآن اور مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت جیسی ضخیم اور اہم کتابیں اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد اور بریلوی ترجمہ قرآن کا تجزیہ جیسی تنقیدی کتابیں مولانا ہی کی جدوجہد کے ذریعہ باشندگان پاکستان کے ہاتھوں میں پہنچی ہیں۔

اور سب سے بڑی عنایت اور محبت یہ کہ مستند موضح قرآن جیسی اہم اور تحقیقی تصنیف بھی علوی صاحب کے توسط سے ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی کے ہاتھوں میں پہنچی جو اب کتابت و تصحیح کے مراحل سے گذر کر طباعت کی منزل میں آچکی ہے۔

میرے عزیز بھائی نواب حسین

میرا خاندان دہلی سے لٹ پٹ کر لاہور پہنچا اور پھر وہاں سے کراچی منتقل ہو گیا۔ مگر میرے چھوٹے بھائی نواب حسین لاہور ہی میں مقیم رہے۔ ان کی ذات بھی میرے لئے امداد خداوندی ثابت ہو رہی ہے۔ نواب صاحب مجرد زندگی گذار
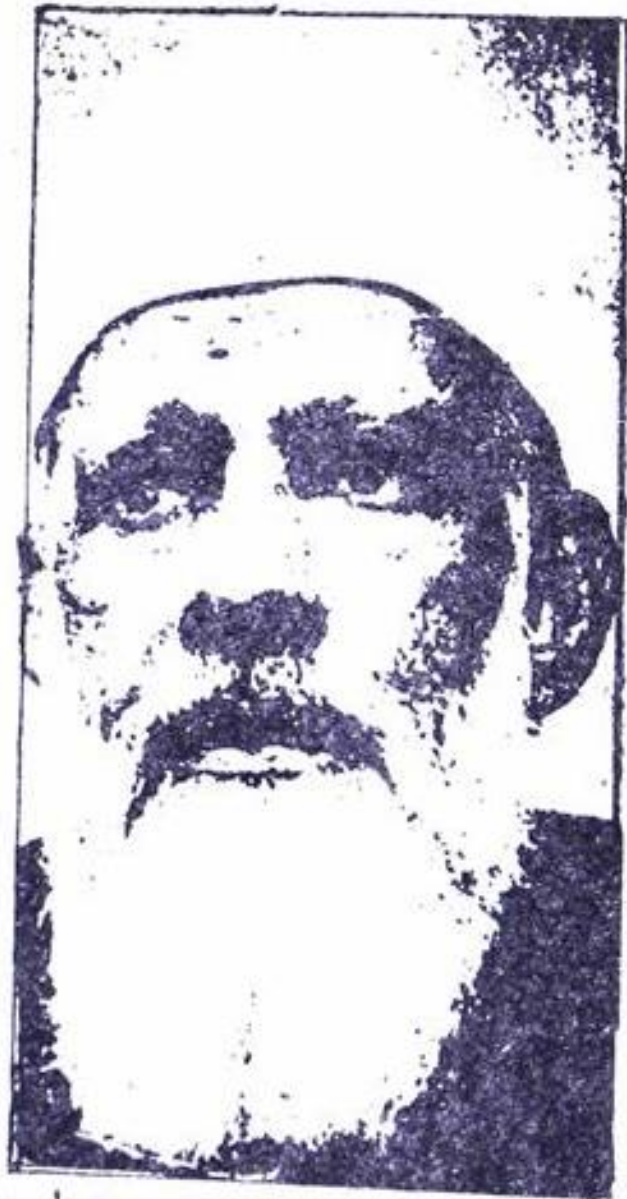
مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

رہے ہیں۔ ان کا ڈیرہ اور ان کی مخلصانہ خدمت اگر مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں
ہر سال پاکستانی اعزا اور احباب سے ملاقات نہ کر سکتا۔ اور اپنی کتابوں کی
اشاعت اور دیکھ بھال میرے لئے مشکل ہوتی۔ محترم علوی صاحب اور نواب صاحب
کی قیام گاہیں (اچھرہ لاہور) میں قریب ہی قریب ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ

تنظیم اسلامی پاکستان کے صدر محترم ڈاکٹر صاحب مجھے کئی سال سے تنظیم
کے اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور ہر طرح میری ہمت افزائی فرماتے
ہیں لیکن قیام و طعام اور ہر طرح کی دیکھ بھال کا بوجھ نواب صاحب ہی پر پڑتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق کس طرح قائم ہوا؟ اس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب
کی ایک تحریر سے بآسانی سامنے آسکتی ہے۔ جماعت شیخ الہند کتاب کے ص ۴۳۹
پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔

"مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ، مہتمم و شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ، مرکز حضرت
شاہ ولی اللہ دہلویؒ، خواجہ میر درد روڈ، دہلی (بھارت) سے راقم الحروف کا تعارف
کچھ اتنا پرانا نہیں، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو برس کا ہے۔

اُن سے اوّلین تعارف اُن کی بیش بہا تالیف محاسن 'موضح القرآن' اور اس
کے پاکستانی ناشر برادرم قاری سعید الرحمٰن علوی کی وساطت سے ہوا۔ اسی کی اساس
پر راقم نے انھیں گذشتہ سال کے 'محاضرات قرآنی' میں شرکت کی دعوت
ارسال کر دی۔ ان کا کرم کہ انھوں نے بلا پس و پیش اور بغیر تکلف و تصنع دعوت
قبول فرمائی اور تشریف لے آئے۔

اس طرح متعدد بالمشافہ ملاقاتوں کا موقع بھی ملا۔ اور محاضرات کی متعدد

نشستوں میں ان کی کئی تقاریر بھی سننے میں آئیں۔ ان کے علم وفضل کا اندازہ تو ظاہر ہے کہ کوئی ان سے اعلیٰ پایہ کا عالم وفاضل ہی لگا سکتا ہے۔ مجھ جیسے عامی واُمّی شخص کے دل نے تو ان کے جذبۂ خلوص، سادگی واخلاص اور بالخصوص طبیعت کی تواضع اور مزاج کے اعتدال سے بہت اثر قبول کیا۔ اس طرح گویا فوراً ہی ''دل را بہ دل رہیست'' والا معاملہ بن گیا۔

'محاضرات' کے ایک ہی ماہ بعد میرا بھارت جانا ہوگیا۔ اصل سفر تو حیدرآباد دکن کا تھا لیکن آتے جاتے دہلی میں بھی دو مرتبہ مختصر قیام رہا۔ اور ان دونوں ہی بار مولانا سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کی محبت بھری دعوت پر ایک جمعہ میں جامع مسجد مدرسہ حسین بخش، خیلی قبر، میں جمعہ سے قبل خطاب کا موقع ملا۔ (جہاں اب مولانا جمعہ پڑھاتے ہیں، اور بھائی جمیل الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا کہ اسی مسجد میں ایک طویل عرصہ تک رئیس الواعظین سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ وعظ فرماتے رہے ہیں۔) اور اُن ہی کی وساطت سے قبرستانِ مہندیان اور جامعہ رحیمیہ میں بھی حاضری کا موقع ملا۔

راقم کو مولانا کی عمر کا صحیح اندازہ تو نہیں، البتہ گمانِ غالب ہے کہ لازماً ساٹھ سے متجاوز ہوگی۔ لیکن ان کی جواں ہمتی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد سے اب تک ان کے پاکستان کے دو مزید چکّر لگ چکے ہیں جن سے بحمداللہ ربط وتعلق کے مزید استوار ہوتے میں بہت مدد ملی۔ جس کا ایک اہم مظہر قارئین 'میثاق' کے علم میں گذشتہ شمارے سے آچکا ہے، یعنی یہ کہ مولانا نے 'تنظیم اسلامی' کے 'حلقۂ مستشارین' میں شرکت قبول فرمالی۔ فجزاہ اللہ عنی وعن جمیع رفقائی احسن الجزاء۔ (۶۸۵) ''

تنظیم اسلامی اور محترم ڈاکٹر صاحب کی تحریک سے اس گہرے تعلق
کے سبب پاکستان میں اس ناچیز کا تعارف ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریک سے
اس تعلق کا میرے قدیم حلقہ (جمعیۃ علماء اسلام اور دیوبندی جماعت) پر ضرور
ناگوار اثر پڑا، جس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے افکار نے پاکستان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ اور
مولانا حسین احمدؒ مدنی کی جو عقیدت اور عظمت قائم کی اور جس تعلیم یافتہ اور جماعت
اسلامی سے وابستہ حلقہ کو ان حضرات کی طرف متوجہ کیا وہ کسی دوسرے کے بس
کا کام نہیں تھا۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اہل بدعت کے مقابلہ میں امید تھی کہ جماعت
دیوبند کے دونوں گروہ (تھانوی اور مدنی) اتحاد عمل سے کام کریں گے لیکن افسوس
ایسا نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے حسن اعتدال واخلاص کی بدولت دونوں حلقوں
کو ایک مرکزی شخصیت (حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی)
کی ذات گرامی سے جوڑ دیا اور حضرت شیخ الہند کے جامع اور ہمہ گیر اسلامی مشن
کی دونوں جماعتوں کو کڑیاں قرار دے کر ان دونوں بلکہ تینوں جماعتوں (تھانوی،
مدنی اور الیاسی) کو جماعت شیخ الہند میں سمو دیا اور اس طرح اہل پاکستان سے
ان تینوں کی اہمیت اور ان کے الگ الگ مذاق و طریقۂ کار کی ضرورت تسلیم کرالی۔

"جماعتِ شیخ الہند" کا نام اور یہ وسیع تصور اسی ناچیز کی ایجاد ہے،
جو ڈاکٹر صاحب نے اختیار کیا۔

اجالے میں اندھیرا

جو ہوا وہ کیوں ہوا ، اس کی توجیہیں بہت
چاہتا ہوں وہ کیوں کر ہو، یہ مشکل بات ہے

(اکبر الٰہ آبادی)

اس ناچیز کی کہانی اندھیرے میں اجالا اور اجالے میں اندھیرے کی عبرتناک داستان ہے۔ میں کس ماحول میں علم دین کی طرف چلا گیا؟ یہ اندھیرے میں اجالے کی مثال ہے۔ اور میرے دینی اور علمی ماحول میں کوئی بچہ عالم دین نہ بن سکا۔ یہ اجالے میں اندھیرے کی مثال ہے۔ اور قرآن کریم نے اس عبرتناک انقلاب کو قدرتِ خداوندی کے کرشمہ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا۔

اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

بھلا کون ہے جو تمہاری قوتِ سامعہ (کانوں) اور تمہاری قوتِ باصرہ (آنکھوں) پر اختیار رکھتا ہے اور جاندار کو بے جان میں سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار میں سے نکالتا ہے۔ اور کون ہے جو اس نظام عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور اعتراف کریں گے کہ وہ اللہ ہی ہے۔ پھر تم ان سے کہو کہ تم اس خدا کی نافرمانی سے کیوں نہیں بچتے؟

الحمدللہ، میرے سات بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ باوجود تمنا اور کوشش کے میں کسی بچہ کو دینی تعلیم و تبلیغ کے راستہ پر ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ بڑے لڑکے شریف حسین نے فارسی میں ایم۔اے۔پی ایچ ڈی کر کے دلی یونیورسٹی میں تعلیمی اور تحقیقی کام کی راہ اختیار کر لی ہے اور وہ کئی ادبی اور علمی کتابوں کا مصنف ہے۔

دوسرے لڑکے نے بی۔اے۔کیا، ایک لڑکی نے بی۔اے۔کیا۔ دوسرے لڑکوں نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی اور یہ سب الحمدللہ محنت کر کے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

قدرت کے اس کرشمے کی دو وجہیں ہیں۔

ایک خدا کی توفیق ؎

در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
(مومن)

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے اپنے ایک مخلص ہمدرد (مہاراشٹر کے باشندہ) سے کہا، آپ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ میرے دینی کاموں کی قدر افزائی کرتے ہیں اور خدا نے ماشاءاللہ آپ کو چھ سات ذہین لڑکے عطا کئے ہیں۔ آپ ایک کامیاب دولت مند بھی ہیں۔ پھر کسی ایک لڑکے کو آپ مولوی کیوں نہیں بناتے؟

وہ بولے، مولانا! دل میں بڑا شوق ہے کہ میرے گھر کا ایک مولوی ہو، مگر میری بیوی کہتی ہے کہ یہ مولوی صاحبان جس غربت میں زندگی گذار رہے ہیں، میرا کوئی بچہ اس غربت و ناداری کے ساتھ زندگی گذارنے کو تیار

نہیں ہے۔ اور میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ ان کے دوسرے بھائی تو تجارت یا ملازمت کی راہ اختیار کر کے عیش کی زندگی گذاریں اور ان کا ایک بھائی دوسروں کی خیر خیرات کے سہارے جیئے۔ مولوی بن کر وہ اپنے معاشرہ سے کٹ جائے گا۔ اسے اچھے گھرانے کی لڑکی نہیں ملے گی۔ میں خاموش ہو گیا۔ کیا جواب دیتا۔

ذوقؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہتر تو یہی ہے کہ نہ دنیا سے دل لگے ؛ پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی بنے

یعنی دنیا سے بے تعلق ہو کر صرف خدا اور آخرت سے دل لگانا بہت اچھا ہے، مگر اس دنیا سے، مال و دولت سے، بال بچوں اور بیوی سے پیچھا چھڑا کر انسان اس دنیا میں کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور شریعت اسلامیہ بھی انسان کو صحرا نشینی اور راہبانہ اور جوگیانہ زندگی اختیار کرنے سے روکتی ہے۔

اس خاتون نے جو کچھ کہا وہ دراصل ہم سب کے مخفی خیالات کی ترجمانی ہے۔ یہ دلی کبھی مفتی اعظم محمد کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں، مولانا محمد یوسف صاحب فقیر، مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے آباد اور پر رونق تھی۔

اب ان بزرگوں کے بعد کیا صورت ہے؟ خانقاہی سلسلہ میں مولانا زید ابوالحسن ایک علمی بزرگ ہیں۔ ان کے بعد کیا ہے؟ دونوں شاہی مسجدوں میں صرف امامت اور تقریروں کے سوا کیا ہے؟ البتہ نقش و عملیات کی پر ہجوم مجلسیں اور دکانیں سجی ہوئی ہیں۔ بلکہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے مقابلے میں ان مجالس پر زیادہ شباب ہے۔

اسی علمی زوال کو دیکھ کر ایک صاحب نے لکھا ہے کہ مستقبل میں ہندوستان کے اندر صرف انہی خاندانوں میں علماء نظر آئیں گے جن خاندانوں کے ساتھ جاگیریں

مولانا اخلاق حسین قاسمی صحافتی ایوارڈ اردو اکیڈمی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے
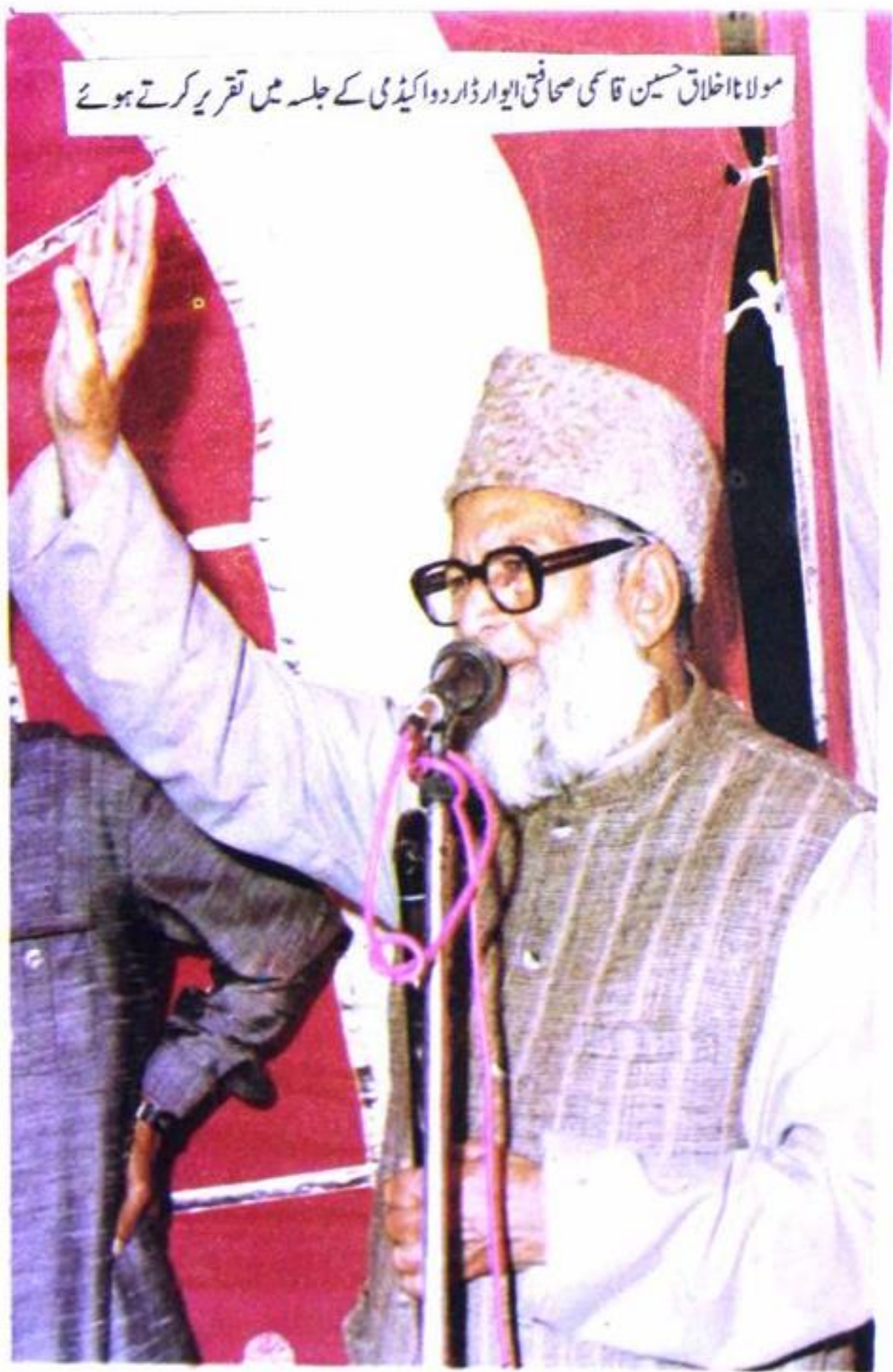
(مدرسے اور خانقاہیں) وابستہ ہیں۔ اور ان جاگیروں کی حفاظت کیلئے ضروری ہوگا کہ ان خاندانوں میں رسمی علماء وصوفیاء موجود رہیں۔

(قومی آواز ۸ر اکتوبر ۸۶ء)

لیکن اس ناچیز نے اس مایوسانہ تصور کی تردید میں لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے اعلان و وعدہ کی لاج ہر حال میں رکھے گا۔ اور دین کی حفاظت کرنے والے کہیں نہ کہیں سے غیر متوقع طور پر کھڑے ہوتے رہیں گے۔

تعارفِ تصنیفات ومقالات

(۱) مستند موضح قرآن حضرت شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی ؒ	قرآن کریم کے سب سے پہلے اردو ترجمہ کا ایڈٹ شدہ نسخہ، جسے اہلِ علم نے اردو کا الہامی ترجمہ قرار دیا ہے۔ زیرِ طبع ایچ، ایم، سعید کمپنی کراچی
(۲) محاسن موضح قرآن	دو سَو برس کے اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ، اردو زبان کی عہد بعہد ترقی پر تبصرہ، ولی اللّٰہی علوم قرآن کا مکمل تذکرہ۔ مطبوعہ لاہور اور دہلی۔ صفحات سات سَو
(۳) مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت	مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ، مولانا آزاد کی قرآن فہمی پر تبصرہ۔ پانچ سو صفحات۔ مطبوعہ لاہور اور دہلی۔
(۴) فوائد الفواد کا علمی مقام	حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی ؒ کے ملفوظات فوائد الفواد کا علمی مقام حضرت محبوب الٰہی ؒ کے علم حدیث، علم تفسیر اور فقہ وکلام کے مجتہدانہ علوم کی روشنی میں۔ پانچسو صفحات۔ مطبوعہ دہلی۔
(۵) مولانا محمد اسمٰعیل شہید ؒ اور ان کے ناقد	مولانا زید ابوالحسن صاحب فاروقی ؒ کی کتاب مولانا محمد اسمٰعیل شہید کا محققانہ جواب، تقویۃ الایمان پر کئے گئے غیر علمی اعتراضات کی مدلّل تردید۔ تین سو صفحات۔ مطبوعہ لاہور۔
(۶) کنز الایمان کا علمی تجزیہ	مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کی اعتقادی اور ادبی کمزوریوں پر تبصرہ، تین سو صفحات۔ مطبوعہ لاہور اور دہلی۔

(۷) اخلاق رسولِ اکرمؐ	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی، معاشرتی اور اجتماعی سیاسی زندگی اخلاق کے آئینہ ۔ تین سو صفحات۔ مطبوعہ کراچی اور دہلی۔
(۸) رسولِ اکرمؐ کی انقلابی سیرت	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اہم اصلاحی اور انقلابی پہلو اور اسلامی تقریبات کا تعارف۔ صفحات دوسو پچاس ۲۵۰۔ مطبوعہ لاہور
(۹) معارف التفسیر	تفسیر قرآن کے اہم موضوعات پر بارہ ۱۲ اہم مقالات۔ صفحات ۱۵۰۔ مطبوعہ دہلی
(۱۰) معاشرہ پر عورت کا احسان	اسلام میں عورت کا مقام، عورت کے حقوق و فرائض پر تبصرہ۔ صفحات ۱۵۰۔
(۱۱) جمہوری دور میں اسلام کی کامیاب رہنمائی	مولانا قاسمی صاحب کے وہ مضامین جنہیں اسلامی تعلیمات کے ان انسانیت نواز، اخوت پرور اور عوامی عدل و انصاف کے

پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جن کی وجہ سے اسلام واحد بین الاقوامی مذہب کے طور پر غیر مسلم دنیا کے سامنے آتا ہے اور جن تعلیمات، اخوت و صلح پسندی پر عمل کر کے مسلمان اپنے آپ کو ایک بین الاقوامی صلح پسند اور امن پرور ملت ثابت کر سکتے ہیں۔

یہ مضامین ملک کے مقتدر اخبارات، قومی آواز، نئی دنیا اور عوام دلی میں شائع ہوئے ہیں۔ انہی مضامین پر مولانا قاسمی کو دلی اُردو اکیڈمی کا اعلیٰ صحافتی ایوارڈ دیا گیا ہے۔

صفحات ایک سو پچاس ۱۵۰۔

(۱۲) شاہ ولی اللہ اور انکا نسبی اور فکری خاندان	ولی اللّٰہی خاندان اور علماء دیوبند کی علمی خدمات کا تعارف۔ صفحات ۱۲۵۔
(۱۳) اسلام میں رفاہِ عام اُردو اسلام میں سماج سیوا کا استھان ہندی	سماجی خدمت بھی عبادت ہے۔ صرف روزہ نماز ہی عبادت نہیں ہے۔ صفحات دو سو ۲۰۰۔
(۱۴) اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	غیر مسلم طبقہ کے ساتھ اسلام کا عدل وانصاف اور احسان ورواداری۔ صفحات دو سو ۲۰۰۔
(۱۵) فرقہ پرستی کی آگ اُردو، ہندی، انگریزی	سن ۵۱ء ۵۲ء میں ملک کے اندر پھیلے ہوئے ہولناک فسادات کی روک تھام کرنے کی غرض سے فرقہ پرست

اخبارات کے اشتعال انگیز اور مسلم آزار پروپیگنڈہ کے نمونے اور اقتباسات پر مشتمل یہ تین کتابیں ملک کے انصاف پسند غیر مسلموں تک پہنچائی گئیں اور دلّی کی جن سنگھی حکومت نے ان پر دفعہ ۱۵۳، الف کے چار مقدمات فرقہ پرستی پھیلانے کے جرم میں قائم کئے، یہ الٹی گنگا (۱۲) سال تک بہتی رہی اور بالآخر عدالت نے مصنف کو باعزّت بری کیا۔

ان مقدمات کی پیروی دلّی کے مشہور قوم پرور وکیل بابو چراغ الدین قریشی نے بلا کسی معاوضہ کے انجام دی۔

ادارہ رحمتِ عالم ؐ کے تبلیغی کتابچے

۵۲ء میں ملک کے اندر پھیلے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات اور مسلم آزار

پروپیگنڈہ کے اثرات زائل کرنے کے لئے قومی اتحاد اسلام کا پیغام محبت اور انسانی اخوت کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے اس ادارہ کی طرف سے اُردو، ہندی میں کتابچے اور پمفلٹ شائع کئے گئے اور بلاقیمت تقسیم کئے گئے ان میں اہم کتابچے حسب ذیل ہیں۔

اسلام میں قومی اتحاد اُردو اور ہندی۔ تقریر مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ	اسلام کا نظام عدل مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

انقلابی دعوت مولانا حفظ الرحمن صاحب	افضل الانبیاء مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	مختصر تاریخ ملت اسلام کے عروج کی داستان

دنیا اور اس کی فضیلت زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت کی اہمیت اسلام میں۔	تاریخی جائزہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا تذکرہ۔

خلفاء راشدین	مثالی شوہر کا خلق عظیم	توبہ واستغفار

ہم اور ہمارے حکمراں مولانا احمد سعید صاحب	محبوب خدا پر جادو کا جھوٹا افسانہ اخلاق رسولؐ مختصر

حج کا آسان طریقہ اور مقدس مقامات	اسلامی احکام میں ترمیم اور مولانا آزاد	رسول اکرمؐ نے انسانیت کو کیا دیا؟

اہلُ اللہ کی عظمت علماء دیوبند کی نظر میں حضرت خواجہ اجمیری کی درگاہ میں کی گئی تقریر	شہداء حق اسلام کے پہلے شہداء
	قرآن کریم کی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ اُردو مع ہندی

بصائر القرآن تفسیر قرآن کے اہم موضوعات پر تحقیقی مقالات، جو ہند وپاکستان کے موقر دینی ماہناموں میں شائع ہوئے۔

زیر طبع

(ان مضامین کے تقریری کیسٹ بھی تیار کئے گئے ہیں۔)

مدیر اعلیٰ
Editor
مولانا اخلاق حسین قاسمی Moulana Akhlaq Hussain Qasmi

جلد، نمبرا	بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق اگست ۱۹۶۶ء	شمارہ نمبرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارگاہِ حق میں دُعا

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مولانا قاسمی کی ڈائری کے چند اوراق

میری کہانی اسلام کی عظمتِ دوام کا معجزہ

اسلام خدا کا آخری دین ہے اور اسے قیامت تک انسانوں کی ہدایت کے لئے اور ہٹ دھرم انسانوں پر خدا کی حجت پوری کرنے کے لئے قائم و دائم رہنا ہے اور خدائی حفاظت اسے حاصل رہنی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (الحجر ۹)

ہم ہی نے اس کلام حق (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ○ (والضحیٰ ۵)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تمہارا ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے عالم اسباب میں اس حفاظت کا ظہور معجزانہ طور پر ہوتا رہا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے اس وعدہ نے ہر دور میں اور ہر سطح زندگی پر اپنے حیرت انگیز ظہور سے دنیا کے اندر اسلام کے دین حق ہونے کا یقین پیدا کیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی صداقت نے کیسی کیسی عظیم قوموں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور ان سے سربلندئ حق کی خدمت لی ہے۔ اور اسی طرح قوموں میں سے بڑے بڑے ذہین اور باصلاحیت افراد کو اپنے آغوش میں لے کر انھیں اپنی خدمت کے لئے کھڑا کیا ہے۔

عروج و زوال قدرت کا اٹل قانون ہے۔ قومیں ہوں یا ادارے یا افراد، سب ہی اس قانون کی زد میں آتے ہیں۔ اور خدا کا وعدۂ حق اپنے کام کے لئے دین کے معاون جس قوم اور جس گروہ میں سے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ (انعام ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اپنے پیغام کے لئے کسے مقرر کرے اور کون اس کا اہل اور حق دار ہے۔

اسی طرح رسالت کی نیابت کا معاملہ ہے۔ وہ کسے علم دین اور نیابتِ رسالت کے قابل سمجھتا ہے اور کسے اس سعادت سے بہرہ مند کرنا چاہتا ہے؟ اس راز کو وہی جانتا اور سمجھتا ہے۔

بڑے بڑے علمی اور دینی خاندانوں پر زوال آجاتا ہے اور نہایت گم نام خاندانوں میں سے ایسے افراد نکل آتے ہیں جن سے اسلام اپنی حفاظت اور اشاعت کا حیرت انگیز کام لے لیتا ہے اور اب بھی لے رہا ہے ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است

خدا تعالیٰ نے کوئی دولت بھی، علم و ہدایت کی دولت ہو یا درہم و دینار اور سیاسی اقتدار کی دولت، ہمیشہ کے لئے کسی خاندان اور کسی قوم کی تحویل میں نہیں دی۔

اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (زخرف ۳۲)

کیا وہ خدا کے فضل و کرم کو اپنی مرضی سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ؕ (آلِ عمران ۱۴۰)

یہ زمانہ کا اتار چڑھاؤ ہے جسے ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ منصب رسالت کے سوا ہر فضل و کمال کسبی اور اختیاری

ہوتا ہے اور اس میں انسان کی اپنی جد و جہد شامل ہوتی ہے۔ لیکن انسانی جد و جہد کا منشاء و محرک توفیق الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (انفطار ۲۹)

تم وہی چاہتے ہو جو اللہ رب العلمین چاہتا ہے۔

میری کہانی جس کا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کسی بڑے علمی اور روحانی خاندان کی کہانی نہیں، بلکہ ایسی کہانی ہے جس میں اسلام کی عظمتِ دوام کا اعجاز بول رہا ہے۔

یہ کوئی تاریخی تذکرہ بھی نہیں ہے۔ ذکر و موعظت ہے۔ اسلام کے بارے میں یقین اور اعتماد کی روشنی ہے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۚ (مدثر ۵۵)

خبردار یہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

مزا آتا ہے باتوں میں خدا کی ⁂ بھلی لگتی ہیں باتیں مصطفٰے کی
ہوئی باتوں میں منزل مفت کھوٹی ⁂ کہانی ہے بڑی اور رات چھوٹی

(سر سید مرحوم)

نوٹ:- والد صاحب قبلہ کی تحریر کردہ متفرق یادداشتوں کو تعارف کے عنوان سے مرتب کر کے شروع میں پیش کر دیا گیا ہے اور جو واقعات موصوف نے تفصیل سے تحریر کئے ہیں وہ آپ ہی کے الفاظ میں آگے پیش کئے جا رہے ہیں۔

(ڈاکٹر) شریف حسین قاسمی
استاد فارسی دلی یونیورسٹی

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ، جو سب سے سیدھی ہے

(بنی اسرائیل ۹)

مستند

موضح قرآن

مع فوائد

از حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی

متوفی سن ۱۲۳۰ھ

تصحیح وتشریح

از مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

ناشر ادارہ

رحمت عالم شیخ چاند اسٹریٹ لال کنواں دہلی

مت کرو ❊ اے مسلمانو ! قوت پکڑو ثابت رہنے اور نماز سے

الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

بیشک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے ❊ اور نہ کہو جو کوئی

يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا

مارا جاوے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں ۔ بلکہ وہ زندے ہیں ، لیکن تم کو

تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ

خبر نہیں ❊ اور البتہ ہم آزماویں گے تم کو ، کچھ ایک ڈر سے اور بھوک

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۳﴾

سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشی سنا ثابت رہنے والوں کو ❊

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

کہ جب ان کو پہنچے کچھ مصیبت ، کہیں ہم اللہ کا مال ہیں ، اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا

رٰجِعُوْنَ ﴿۴﴾ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

ہے ❊ ایسے لوگ انہیں پر شاباشیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی ۔

تزکیہ زکوٰۃ سے ہے ، جس کے دو مفہوم ہیں ، پاک کرنا اور نشوونما کرنا ، قرآن کریم کی اصطلاح میں انسان کے باطن کو حرص و ہوس جیسی بری صفات سے پاک کرنا اور اچھی صفات ، رحملی ، صبر ، سخاوت اور عفت سے آراستہ کرنا ہے کتاب اور حکمت کے معنی حضرات مفسرین تابعین نے الگ الگ کئے ہیں اور حکمت سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث مراد لی ہے ۔ شاہ صاحبؒ نے سورۂ لقمان میں حکمت کی جو تعریف کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عقل سے ایسا فیصلہ کرنا جو حق کے مطابق ہو ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور آپ کی ہدایات قولی اور فعلی کا حاصل بھی یہی ہے ۔ اسی لئے حدیث کو وحی خفی کہا جاتا ہے حاصل یہ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی پڑھ کر سناتے ہیں ۔ اور پھر کلام الٰہی کے خاص محاورات اور مجازات اور استعارات کی توضیح فرماتے ہیں اسی کا نام حدیث و سنت ہے ۔ قرآن کریم یقیناً ایک اصولی قانون اور بنیادی ہدایت کے طور پر ایک مکمل اور جامع کتاب ہے لیکن اسکی اپنی ایک خاص زبان اور خاص محاورات بھی ہیں ۔ جو ہر بلند پایہ کتاب کی خصوصیت ہوتی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ باوجود اہل زبان ہونیکے قرآن کو سمجھنے کے لئے کلام رسول اللہ تعلیم نبوت کے محتاج تھے صرف ایک مثال پر غور کرو ۔ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم (الانعام ۸۳۰) میں عربی لغت کے لحاظ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نمونہ مستند موضح قرآن

تصحیح شدہ موضح قرآن شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی

مرتبہ — حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ

اب کہیں گے بے وقوف لوگ، کاہے پر پھر گئے مسلمان

قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ

اپنے قبلے سے جس پر تھے۔ تو کہہ اللہ کی ہے مشرق اور مغرب

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ

چلاوے جس کو چاہے سیدھی راہ ف١ اور اسی طرح

جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ

کیا ہم نے تم کو امت معتدل، کہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر

يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ

اور رسول ہو تم بتانے والے پر ف٢ اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا

الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

فوائد

(شاہ عبدالقادر صاحب)

ف : حضرت جب مکے سے مدینہ میں آئے، سوا برس نماز پڑھی، بیت المقدس کیطرف پھر حکم آیا پڑھو کعبے کیطرف تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے لگے ڈالنے کہ وہ قبلہ تھا سب نبیوں کا اس کو چھوڑنا نشان نبی کا نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آگے فرمایا کہ لوگ یوں ہی کہیں گے۔ ١٢ منہ رح

ف٢ : یعنی جس طرح ان دو باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس ہے پوری بات اور مخالفوں کے پاس ناقص ایک یہ کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہیں اور یہود اور نصارٰی کسی کو ملتے ہیں کسی کو نہیں۔ دوسری یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے۔ ابراہیم پیشوا ہے سب کا اور یہود اور نصارٰی کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا اسی طرح ہر بات میں تم پورے ہو اور امتیں ناقص ان کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتادے مگر تمہارا نبی۔ ١٢ منہ رحمہ اللہ تعالےٰ

ف٣ یعنی تمہارا قبلہ ابراہیم کے وقت سے کعبہ مقرر ہے اور چند روز بیت المقدس ٹھہرایا ایمان آزمانے کو اور اسمیں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کو بڑا درجہ ہے۔ ١٢ منہ رح

مصنّف کا تعارف

میانہ قد، متناسب الاعضاء جسم، کشادہ پیشانی، آفتابی چہرہ، گلِ تر کی طرح شگفتہ وشاداب، سیاہ وسفید گھنی ڈاڑھی، سر کے بال نسبتاً بلا خضاب زیادہ کالے، اس پر نہایت قیمتی قراقری الور یا شاکیپ، آنکھوں پر ہلکے سنہرے فریم کی عینک، جوں ہی چشمہ اتارتے ہیں آنکھیں مسحور کن انداز میں کھلنے، بند ہونے لگتی ہیں، شیروانی کسی قدر لمبی، علی گڈھ تراش کا پاجامہ، سردیوں میں چترالی خوبصورت ودل کش گرم چغا، کبھی کبھی سر پہ کشمیری رومال، متانت وسنجیدگی کا پیکر، خلوص وانکساری کی جیتی جاگتی تصویر، تکلّفات سے ناآشنا۔ دلّی کی سادہ تہذیب کا نمونہ، خود نمائی اور خود بینی کے تازہ بہ تازہ طریقوں سے ناآشنا۔ اصلاح معاشرہ کے آرزومند مسلمانوں کی سماجی زبوں حالی اور فقدان قیادت پر ماتم کناں۔

قومی جلسوں کے ہنگامہ خیز مقرر، حق گو، صاف گو۔ مگر دل آزاری سے مجتنب، مصلحت پسند، مگر اظہارِ حق میں بے باک۔

اور اسی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیجئے کہ گفتگو اور خطابت میں صاف ستھری اور شائستہ زبان کے تراشے ہوتے فقرے اور ادبی جملے جو جذبات کی تھوڑی سی برہمی اور لب ولہجہ کی سنجیدگی سے مل کر ادا ہوتے ہیں جیسے کسی پہاڑی جھرنے سے پانی گر رہا ہو اور کبھی کبھی ہوا کے جھونکوں سے آواز کے تسلسل وترنم میں فرق آجاتا ہے۔

اب یوں سمجھئے کہ مولانا کی شخصیت کا جغرافیہ تقریباً مکمل ہو گیا، بہرحال یہ تو تھا مولانا کا قلمی تعارف —— رہا یہ کہ وہ مولانا کون ہیں؟ —— تو مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کسی تعارف وتعریف کے محتاج نہیں۔

نہ علمی حلقوں میں اجنبی ہیں اور نہ عوامی حلقوں میں غیر متعارف ہیں،
ان کی شخصیت گوناگوں خانوں میں بٹی ہوئی ہے ان میں علم و عمل کی
متعدد نادرہ روزگار صفات غیر معمولی طور پر جمع ہو گئی ہیں۔
یہ بیک وقت عالم دین، مفسر قرآن، غرض بہت کچھ، اور ساتھ ہی
درویش صفت انسان —
اپنی زندگی کا طویل حصہ ہندوستان کی راجدھانی دلّی میں زہد قناعت
اور نہایت پاکیزہ سیرت کے ساتھ گذارا —
لیکن کبھی اپنی پاکبازی و تقدس کی تجارت نہ کی اور نہ اپنی درویشی
کی نمائش فرمائی — لوگ وطن سے باہر نکل کر چمکتے ہیں، مولانا
اپنے وطن میں چمکے اور اہل وطن کی بھرپور محبّت اور شفقت پائی،
تقریر و خطابت کے فنی کمال کے ساتھ طبعی انکساری اور عاجزی نے
وطن سے باہر ملک کے ہر گوشہ میں مولانا کو قبولیت اور محبت ملی اور ہر صوبہ
نے مولانا کو اپنا آدمی سمجھا،
طبعی انکساری کی وجہ سے ان کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ہر
آدمی بھول جاتا ہے کہ وہ کسی بڑے عالم اور بڑے مصنّف سے مخاطب ہے،
اپنی بڑائی اور اپنے کمالات کا شاید انہیں وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوتا،
اپنے چھوٹوں اور کہیں چھوٹوں کی بات کو اس التفات سے سنتے ہیں
کہ وہ گویا ان کے ہم سر ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنے نیازمندوں اور چھوٹوں
کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ بے چارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمیوں میں
مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپ سے ملنے والا یہ سمجھتا ہے کہ موصوف جتنا
مجھ سے قریب ہیں اتنا کسی اور سے قریب نہیں۔
مولانا بڑے زندہ دل اور ظریف الطبع ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات
ظرافت کی رو میں بہہ کر ہم چھوٹوں کو بھی نہیں بخشتے — بڑے ہنس مکھ ہیں۔

خوب ہنستے ہیں اور ہنساتے ہیں۔

مولانا سیاسی مولویوں کا اکثر مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ خود بھی سیاسی آدمی رہ چکے ہیں ــــ اور وہ بھی کانگریسی ــ لیکن مجھے یقین ہے کہ گاندھوی کبھی نہیں رہے ہوں گے۔

سیاست میں مولانا کی بے باک حق پرستی کا نتیجہ تھا کہ ایمرجنسی کی زیادتیوں اور نس بندی اور توڑ پھوڑ کے واقعات نے مولانا کو کانگریس سے بے زار کر دیا اور مولانا نے انقلابی لہر کا ساتھ دیا ــــ اور اسی کے نتیجہ میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند سے الگ ہونا پڑا ــــ جس کے وہ صوبائی صدر اور آل انڈیا کے ناظم رہ چکے تھے، اور انقلاب ۴۷ء کے بعد اسی جماعت کے پلیٹ فارم سے مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا احمد سعید اور مولانا محمد میاں رح کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایک جاں فروش سپاہی کی طرح فرقہ پرستی کی آگ بجھانے اور مسلمانان ہند کو سماجی پستی سے نکالنے اور انہیں نشاۃ ثانیہ کی راہ پر ڈالنے کے لیے رات دن ایک کیے تھے۔

وہ تمام لوگ جو مولانا سے کسی طرح قریب رہے ہیں اور جن کی آنکھوں پر جماعتی عصبیت اور سیاسی رقابت کا پردہ پڑا ہوا نہیں ہے وہ اس کی شہادت دیں گے کہ مولانا کا بے باک قلم اور بے لاگ خطابت ہمیشہ ملی مسائل اور دینی تقاضوں کی ترجمانی کا فرض ادا کرتی رہی ہے' یہ بات اور ہے کہ اس حق گوئی کی بڑی بھاری قیمت مولانا کو ادا کرنی پڑی ہے اور دفعہ ۱۵۳ الف کے ایک دو نہیں چار چار مقدمے بیک وقت مولانا پر قائم رہے ہیں۔

۱۲برس کی مدت کم نہیں ہوتی، زندگی کا اتنا قیمتی وقت مولانا نے ان مقدمات کی پیروی میں نہایت صبر و استقلال اور خندہ پیشانی کے ساتھ گذارا ہے۔

فکری اعتدال مولانا کی بڑی خصوصیت ہے، وہ ایک طرف۔

ابوالکلامؒ اور حسین احمد مدنیؒ کے سیاسی فکر کے علم بردار ہیں اور ساتھ ہی مولانا تھانوی کے تعمیری فکر کی افادیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا کو مولویانہ بحث و مباحثہ کی عادت نہیں ہے، ذہین و ذکی الحس آدمی ہیں، ان جھمیلوں میں پڑنا نہیں چاہتے، اگر اتفاق سے کہیں الجھنا پڑتا ہے تو ان کے بحر علم میں جوار بھاٹا آجاتا ہے، پھر حریف کو جب تک میدان سے نہ بھگادیں اس وقت تک چین نہیں پڑتا ــــ لیکن الحمد للہ اب مدافعانہ انداز میں سنجیدہ قلمی مناظرہ کا سنگ بنیاد رکھ چکے ہیں ــــ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد جیسی تحقیقی اور علمی کتابوں کی قدر دانی کرتے ہوئے مستقبل کا مورخ انہیں امام المناظرین کے خطاب سے نوازے تو وہ حق بجانب ہوگا۔

یہ بھی سننے کے لائق ہے کہ مولانا کتابوں کے عاشق ہیں، بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے اس طرح مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں سرخ پنسل یا قلم ضرور ہوتا ہے ــــ خواہ کتاب ذاتی ہو یا مستعار ــــ جو مقامات پسند آتے ہیں ان پر سرخ پنسل سے نشان لگاتے جاتے ہیں اور کبھی حاشیہ پر کچھ لکھ بھی دیتے ہیں جس میں بڑی افادیت ہوتی ہے۔

مولانا کا فطری ذوق و دلچسپی کسی انسانی تصنیف و تالیف سے نہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب حکیم سے ہے۔ اسی کتاب مقدس میں شب و روز غور و فکر ان کی زندگی کا حسین مشغلہ ہے۔ بلکہ یہی ان کی غذا ہے اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

مولانا نے شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کے الہامی ترجمۂ "موضح قرآن" اور اس کے تفسیری فوائد کی جو علمی تحقیق و تدقیق کی ہے بقول۔
حضرت الاستاد مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ،

"بلاشبہ یہ کارنامہ عہد مظلم کے سیکڑوں ریسرچ کرنے والے

محققین کی تحقیقات پر بھاری بھر کم ہے۔"

اور بقول مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر مدظلہ

"ہمیں افسوس اور حسرت ہے کہ ایسے علمی اور تحقیقی کاموں کی اس زمانہ میں کھپت نہیں، مولانا قاسمی کی یہ کتاب اپنی تحقیق کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہے کہ کسی صوبہ کی اردو اکیڈمی اسے درجہ اوّل کی کتاب قرار دے کر اس پر مولانا کو انعام دے۔"

آپ قدیم دلیؔ والا ہونے کی وجہ سے دلیؔ کی صاف اور شگفتہ اردو بولتے اور لکھتے ہیں، تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی کے مشہور واعظ و مقرر مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی خدمت میں ترجمہ قرآن پاک کی ترتیب میں شرکت کی اور سحبان الہند مرحوم کی صحبت میں رہ کر آپ کی زبان میں دہلویت کا رنگ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

بقول حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

"دہلی کے مشہور شیوہ بیان مقرر سحبان الہند مولانا احمد سعید رح کے وعظ و بیان کی شیرینی اور دل کشی سے جو لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا اخلاق حسین صاحب اس میدان میں مرحوم سحبان الہند کی یادگار ہیں، وہ ٹھیٹ دلیؔ والے بھی ہیں اور مرحوم کی صحبت بھی انہیں حاصل رہی ہے۔"

تحریر میں آپ کی دہلوی زبان کا شاہکار "اخلاق رسول" کتاب ہے اور مولانا کی ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ ــ اسلام کیا کہتا ہے ؟ــ کتاب ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کے تاثرات مولانا کی اس کتاب کے بارے میں یہ ہیں۔

"یہ کتاب دہلی کی ٹکسالی اردو اور کوثر و تسنیم سے ڈھلی ہوئی لال قلعہ

کی شیرینی اور حسین زبان کا بہترین نمونہ ہے"

رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپ کے اخلاق حسنہ کے موضوع پر مولانا کی تقریریں عوام وخواص میں بہت مقبول ہیں، آپ جب اس موضوع پر بولتے ہیں تو وجدانی کیفیت کے ساتھ بولتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپے میں نہیں ہیں —— بلبل کی طرح چہکتے ہیں اور شاخ گل کی طرح جھومتے اور لچکتے ہیں، موصوف کا ہفتہ واری خطاب جو مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل ہوتا ہے علمی، دینی اور اصلاحی مسائل پر نہایت بلند پایہ تحقیقی مواد پر مشتمل ہوتا ہے اور اس خطاب سے مستفید ہونے کے لیے دور دراز سے علمی ذوق رکھنے والے حضرات اس خطاب میں شریک ہوتے ہیں در حقیقت مولانا اخلاق حسین قاسمی اس تاریخی منبر ومحراب کی زینت ہیں جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دار العلوم دیوبند سے دس سال قبل ولی اللہی تحریک کے اصلاحی مرکز کے طور پر وجود میں آیا تھا۔

اور جب مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کے ایک پیرو مولانا نوازش علیؒ کے وعظ وخطاب پر جامع مسجد دلّی کے اندر کچھ اہل ہوا نے شور وغل مچایا تھا تو حاجی حسین بخش صاحب (پنجابی) نے اس "دار الہدیٰ والوعظ" کو تعمیر کرایا تھا۔

حاجی صاحب شاہی فیل خانہ کے سپلائیر تھے اور مولانا شہیدؒ کے اصلاحی مشن سے گہرا تعلق رکھتے تھے،

اس مرکز اصلاح میں مولانا محمد حسین فقیر، مولانا کرامت اللہ خاں صاحب مولانا نور الحسن صاحب دیوبندی، مولانا عبد الشکور صاحب مہاجر مدنی اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی جیسے اہل علم خطاب کرتے رہے ہیں۔

مولانا دہلوی اپنے قلم کی سادگی اور شگفتگی اور انداز بیان کی دلکشی اور روح پروری کی وجہ سے آل انڈیا ریڈیو کے مقبول ترین مقرر بھی ہیں۔

۔ ۔ شاگرد شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی

اور مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمان کی دلی میں اب صرف وہی ایک مقرر اور واعظ نظر آتے ہیں جنھیں اسلافِ دلی کی آخری یادگار کہا جا سکتا ہے۔

میں نے سب سے پہلے مولانا کی ایک جھلک اپنے وطن (چمپارن بہار) کے ایک پر ہجوم جلسے میں دیکھی، اس وقت نہ ان تک پہنچ سکا، نہ گفتگو کی نوبت آئی ــ دوسری مرتبہ آپ کی زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب آپ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں مقیم تھے۔ مفتی جمیل الرحمٰن صاحب نے ناچیز کا تعارف کرایا، اجنبیت دور ہونے میں چند لمحے بھی نہ لگے، بڑے تپاک اور محبت سے ملے جیسے برسوں کی آشنائی ہو، اس کے بعد آپ دیوبند تشریف لائیں اور ملاقات نہ ہو شاید کبھی ایسا نہ ہوا،

اور اب تو مولانا الحمدللہ ہمارے "نگہبان فرشتہ" ہو گئے ہیں۔ یعنی مہتمم جامعہ رحیمیہ ـــــ جہاں تفسیر قرآن پڑھانے اور ولی اللہی تحریک (اصلاحی جہاد) کا تعارف کرانے میں مصروف ہیں۔

مولانا قاسمی کی فطری صلاحیتوں کے پیشِ نظر مولانا کے قدردان اس بات سے خوش ہیں کہ موصوف اپنے آپ کو علمی اور قلمی سرگرمیوں کے لیے یکسو کر چکے ہیں۔

اگر موصوف سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر نہ بیٹھتے تو قرآن حکیم کی اتنی بڑی خدمت کا موقعہ آپ کو میسر نہ آتا۔

مولانا قاسمی نے ہندوستان کے غریب مسلم عوام اور غیر مسلم حلقوں میں اسلامی تبلیغ و دعوت کے لیے رحمت عالم کانفرنس ـــــ کے نام سے ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے، جس کی طرف سے ہزاروں چھوٹے بڑے اردو، ہندی اور انگلش پمفلٹ بلا قیمت تقسیم ہو چکے ہیں۔

مولانا نے ۴۷ء کے بعد مسلمانوں کے اندر بڑھتی ہوئی غربت
اور مخالفین کی طرف سے اسلام اور ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف توہین آمیز اور اشتعال انگیز پروپیگنڈہ
کو دیکھ کر یہ تبلیغی ادارہ قائم کیا اور اصحاب خیر مسلمانوں کے مالی تعاون
سے ہزاروں کتابچے ملک کے اندر پھیلائے۔

نامناسب ہوگا کہ مولانا کے تبلیغی اور تصنیفی کاموں کا تعارف کراتے
ہوئے مولانا کے ان پاکستانی اور جماعتی احباب کا ذکر خیر نہ کیا جائے
جن کی توجہ اور تعاون سے محاسن موضح قرآن جیسی اہم ضخیم کتاب آٹھ سو
صفحات پر مشتمل نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی اور اب مستند موضح
قرآن کا عظیم کام شروع کر دیا گیا ہے۔

یعنی مولانا سعید الرحمان صاحب علوی ایڈیٹر خدام الدین، شیرانوالہ
گیٹ لاہور — اور ان کے مخلص احباب — جو ولی اللہی علوم قرآنی
پر کئے گئے بے مثال کام کو زندہ جاوید بنانے کی مخلصانہ کوششوں میں
مصروف ہیں۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء

عطاء الرحمان قاسمی (چمپارن بہار)
استاد فقہ و ادب جامعہ رحیمیہ۔ دلی
۲۱ مئی ۸۴ء